

تبصرہ کیا ہے

44 Jan

مطبوعات جدیدہ

مولانا حمید الدین جہاں موم کے قلم سے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲ صفحہ قیمت ۵ روپے "نیچر"

شدن سزا

بعض اتفاقات بھی عجیب ہوتے ہیں، پچھلے سال دین مسٹر صلاح الدین خدا بخش (جنکو اب مرحوم کہنا پڑتا ہے) کی بعض تحریروں کا گلہ کیا گیا تھا، ابھی وہ رسالہ چھپکر تیار ہی ہوا تھا کہ کلکتہ سے اُن کی اچانک وفات کی خبر آئی، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے اور اپنی مغفرت سے سرفراز کرے، اُن کے قلم سے گو ایسی باتیں مستشرقین یورپ کی ترجمانی میں اکثر نکلتی رہیں، تاہم اُن کی ایسی پر جوش مخالفت قوم میں پہلے کبھی نہیں ہوئی جیسی اس دفعہ ہوئی، اور اس کے اثر کے سامنے اُن کو مجبوراً مسلم آؤٹ لک لاهور میں اپنا معذرت نامہ شائع کرنا پڑا جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی گہری عقیدت اور مستشرقانہ الزامات کی بے حقیقتی کا اعتراف اور ان کے جوابات کے لئے اپنی بعض تصنیفات کا حوالہ درج تھا، کس کو خبر تھی کہ ان کا یہ معذرت نامہ حقیقت میں ان کی پوری عزت کا آخری توبہ نامہ ثابت ہوگا، لیکن حسن خاتمہ کی توفیق دینے والے کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا ہے؟

بدان را بنیکان بہ بخشد کریم

ہندوستان کی اکثر پرنسپل سائنس کے عربی درجوں کے طالب علموں کے لئے پروفیسر نکلسن کی لٹریچر ہنری آف عربیہ بنوہ مقرر ہے، پروفیسر موصوف اپنے کو صوفی یا صوفی پسند کہتے ہیں، اور صوفیوں کا حال یہ ہے کہ جھکیم الصوفی فی کلام اللہ، وہ آثار و ادا رہوتا ہے کہ مذاہب مختلفہ کے فروعی اختلافات کو مہل کر ان کی متحدہ حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھتا ہے، اور گہر و ترسا اور بیہودی و غمندی سب کو برابر جانتا ہے۔

لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ صوفیت یا صوفیت پسندی کے ادعا کے باوجود نکلسن صاحب نے اپنی یہ کتاب بچہ متعصبانہ لکھی ہے، اور چند باب تو اس میں ایسے کچھ ہیں کہ مذہب تو الگ رہا ان کے علم و فضل کا راز سر بہتہ بھی ان سے منکشف ہو جاتا ہے،

مذہبی حیثیت کو الگ کر کے بھی دیکھا جائے تو اپنے موضوع پر یہ کتاب نہایت ناکام ہے، اس سے اچھی کتابیں آج کل مصر میں عربی میں لکھی گئی ہیں، بلکہ خود ہمارے ملک کے انگریزی دان اہل علم توجہ کریں، تو خود دیکھ سکتے ہیں، مولوی محمد شفیع صاحب لاهور، ڈاکٹر صدیقی اور ڈاکٹر فرید احمد الہ آباد، ڈاکٹر عظیم الدین پٹنہ، اور ڈاکٹر عبدالحی عثمانیہ حیدر آباد اگر توجہ کریں، تو کوئی بڑی بات نہیں، ہم کو ان دو مکتوب کی خدمت میں گزارش کرنا ہے کہ

وقت آن ست کہ ما چارہ گر خوش شویم

مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اکثر عربی میں ہیں، جن سے عربی سے ناواقف حضرات فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، لیکن مسرت کا مقام ہے کہ ان کے پڑے ہوئے مسودوں میں سورہ احکام (سورہ قل ہو اللہ احد) کی تفسیر اُن کے قلم سے اردو میں لکھی ہوئی مل گئی، اور وہ چھپ کر اب تیار ہو گئی ہے، یہ گواہی مضمون پر مختصر رسالہ ہے، مگر چونکہ یہ سورہ پاک قرآن کی جان اور ایک ثلث قرآن کے برابر ہے، اس لئے اس کی تفسیر بھی روح تفسیر اور ایک ثلث تفسیر کے برابر ہے، بخیر ہے کہ اسی رسالہ کی قیمت سے مولانا مرحوم کی دوسری تصنیفات کی اشاعت کا سامان کیا جائے، اس بنا پر اس رسالہ کی خریداری مزید ثواب کا باعث ہے، باوجود عمدہ کاغذ اور اچھی لکھائی چھپائی کے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے، معنی ۷۵ امید ہے کہ اہل ایمان اس کی پوری قدر کریں گے، اور حسب توفیق اس کے متعدد نسخے خرید کر دوستوں عزیزوں اور غیر مسلمانوں میں تقسیم کریں گے،

سلم ایجوکیشن کانفرنس علی گڑھ کی طرف سے کانفرنس گزٹ کے نام جو پندرہ روزہ صحیفہ شائع ہوتا ہے، ہم مسرت تمام اس کا اظہار کرتے ہیں کہ اس کو عزیز بھائی مولانا اکرام اللہ خان ندوی جس سنجیدگی، متانت، اصابتِ رائے، نکتہ دہی اور صحیح بخانی سے مرتب کر رہے ہیں، اسکی قدر حق قدر کی جائے کم ہے، اس عہد میں جب مسلمان صرف جوش و خروش اور سطحیت کے دام فریب میں گرفتار ہیں، قوم کے عروج و ترقی کے اسباب و موانع پر اس صحت، فکر، تحقیق اور دیدہ دہی سے بحث کرنا، اور صحیح راستوں کو تلاش کر کے پیش کرنا، یہی تحقیق نہیں ہے، ہم کو معلوم ہو کہ اس کے باوجود اس رسالہ کی خریداری اتنی نہیں کہ وہ قائم رہ سکے، تاہم کانفرنس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ بہر حال اسکو جاری رکھیں گی، کانفرنس کا یہ فیصلہ کتنا ہی فیاضانہ سہی، مگر کیا مسلمانوں میں سنجیدہ طبقہ کے افراد کی اتنی تعداد بھی نہیں کہ ایک آل انڈیا مجلس کے پندرہ روزہ صحیفہ کو باقی رکھ سکیں؟

— — — — —

دائرة المعارف حیدر آباد دکن جو مشرق میں اپنی طرز کی واحد علمی مجلس ہے، اور جس نے عربی زبان کی قدیم تصنیفات کی حفاظت اور انکی طبع و اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے، اور بیسیوں قدیم ضخیم عربی کتابوں کو تلف و بربادی سے بچا کر اب علم کے ہاتھوں تک پہنچایا ہے، نواب عابد الملک بلگرامی مرحوم کے بعد اس کی صدارت نواب صدیر یار جنگ مولانا شروانی کے حصہ میں آئی تھی، دو سال ہوئے کہ وہ اب اپنے منصب سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن پس تشریف لائے، تو ارکان وائرہ نے ان کی جگہ پر نواب محمد یار جنگ بہادر کو اس کی صدر نشینی کے لئے منتخب کیا، یہ انتخاب ہر طرح موزون و مستحسن تھا، اب موجودہ صدر نشین یہ چاہتے ہیں کہ کم از کم میں سالوں کیلئے اس مجلس کے قابل اشاعت کتابوں کی فہرست تیار ہو جائے جس کے مطابق آئندہ کام چلتا رہے، چنانچہ دائرہ کے ایک ذمہ دار رکن مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے وہ فہرست تیار کی ہے اور دیگر اہل علم کے مشورہ کے لئے معارف میں شائع ہو رہی ہے،

— — — — —

مقالہ

ایمان

بطور اس ملت اور نبیاءِ عمل کے

مذہب کس چیز کا نام ہے، ایک نظام زندگی کا دنیا کی وہ تمام عظیم الشان قومیں جنہوں نے دنیا میں کوئی بڑا کام کیا ہے، یا جو دنیا میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ اپنے پورے نظام ہی کو کسی ایک قانون پر مبنی کریں اور اپنی تمام منتشر قوتوں کو کسی ایک اصول کے تحت مجتمع کریں، زندگی کے سیکڑوں شعبے اور بقائے ہی اور ترقی کے ہزار شاخ و شاخ اعمال جو دیکھنے میں ہمارے منتشر پر اگندہ متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں، ان سب کے درمیان ایک نظام، ایک متحدہ اصول، ایک جامعیت پیدا کریں، جس کا شیرازہ ان متفرق و پراگندہ اوراق کو ایک منظم کتاب بنادے،

دیکھو کہ دنیا جب سے بنی ہے، اس وقت سے لیکر آج تک ہزار ہا قومیں پیدا ہوئیں اور مری ہیں، لیکن کسی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی ہے جب تک اس کے اندر اس کی زندگی کا کوئی نظام نہیں پیدا ہوا ہے، اور کسی واحد تخیل نے ان کے اندر یہ اہمیت نہیں پیدا کر لی ہے، کہ وہ اس کے تمام افراد کی زندگی کی غرض و غایت اور اس کے تمام اعمال کا مرکز و مرجع، اور جہت و قبلہ بن گیا ہو، وہی واحد تخیل بڑھ کر واحد جماعت، اور اس سے بھی زیادہ پھیل کر ایک واحد قوم کی تخلیق و تکوین کرتا ہے،

ہم اس کو ایک مثال میں سمجھانا چاہتے ہیں، روم کی سلطنت کا آغاز ایک گاؤں سے ہوا، اؤڈو نے یہ نقطہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ صدیوں میں ایک عظیم الشان دائرہ بن گیا، اس دائرہ کا نقطہ نیا

مکرر اتحاد، ہمت، اشتراک، اساس جامعیت، "رومیت" قرار پائی، جس نے رومیت کے اصول کو تسلیم کیا، اُس کو شہر روم کے باشندوں کے حقوق عطا ہوئے، اور جس نے قبول نہ کیا، یا جس کو یہ سزا خود رومیوں نے عطا نہیں کیا وہ ان حقوق سے محروم رہا، صدیوں تک یہ رومیت، رومی قوم کی زندگی کا شعلہ حیات رہی، اور اسی کی روشنی سے پورا رومن اپنا راستہ لے کر شام تک جگمگا رہا، مگر جیسے جیسے یہ روشنی مانت پڑتی گئی اندھیرا چھا گیا اور جیسے جیسے رومی عمارت کی یہ ستھم بنیاد کمزور پڑتی گئی، ڈھنسی گئی، یہاں تک کہ ایک دن یہ عمارت گر کر زمین کے برابر ہو گئی،

الغرض قوموں کی موت و حیات کسی ایک تخیل کی موت و حیات پر موقوف ہے، جس کی زندگی سے اُن کی زندگی، اور جس کی موت سے اُن کی موت ہے، گزشتہ جنگ میں تم سمجھتے تھے کہ انگریز جرمن، یا جرمن انگریز سے لڑ رہے ہیں، نہیں، انگریزیت جرمنیت سے یا جرمنیت انگریزیت سے لڑ رہی تھی، قوم ایک قوم سے نہیں لڑتی ہے، بلکہ ایک یقینی تخیل دوسرے یقینی تخیل سے لڑتا ہے،

قوم کی زندگی کا یقینی تخیل اُس کے تمام کاموں کی اساس و بنیاد بن جاتی ہے، پوری قوم اور قوم کے تمام افراد اُس ایک نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، وہ نقطہ ماسکہ ان کی پوری زندگی کا محور بن جاتا ہے، اُسی ایک تخیل کا رشتہ منتشر افراد کو بھائی بھائی بنا کر ایک قوم کے مشترکہ افراد ترتیب دیتا ہے، اور ایک واحد متحدہ تنظیم اور قومی قوم بنا کر کھڑا کر دیتا ہے،

جب کبھی دو قوموں کا مقابلہ ہوگا تو ہمیشہ اُس قوم کو فتح ہوگی جس کا نقطہ تخیل زبردست ہوگا اور جس کے افراد اُس رشتہ حیات میں سب سے زیادہ مستحکم بندھے ہوں گے، اور جو اپنے اُس مشترک اساس و بنیاد پر سب سے زیادہ متفق و متحد ہوں گے، عربوں نے اسی قوت سے قیصر و کسریٰ کو شکست فاش دی، عربوں کے پاس ایرانیوں کے خزانے اور نہ رومیوں کے اسلحہ تھے، مگر انکی پاس قوت ایمانی تھی جس سے ایرانی اور رومی محروم تھے، جب کوئی قوم تنزل پذیر ہوتی ہے تو اس کی وہی قوت ایمانی کمزور ہو جاتی ہے، اُس کی وہی شکر

اساس و بنیاد منہدم ہونے لگتی ہے، اور قوم کی زندگی کا مقصد اس مشترکہ قومی غرض و غایت سے ہٹ کر اپنے نفس، اپنے اپنے خاندان، اپنی اپنی جماعت میں بٹ جاتا ہے، اس لئے اس میں قومی خائن پیدا ہوتے جن کے پیش نظر اُس مشترکہ جامعیت کے فوائد و نقصانات کے بجائے خود اپنی ذات و خاندان کا فائدہ و نقصان ہوتا ہے،

مٹھی بھر انگریزوں نے اسی ہندوستان کے روپے سے، ہندوستان کے سپاہیوں سے، خود ہندوستان کو فتح کیا، حالانکہ اُس وقت پورے ملک میں اودھ، روہیلکھنڈ، بنگال، مرہٹہ، میسور، حیدرآباد کی ایسی عظیم الشان طاقتیں تھیں جن کے بس میں تھا کہ انگریزوں کو پوری طرح شکست دیدیں، مگر ایسا نہ ہوا اس لئے کہ انگریزوں کے سامنے ایک متحدہ مشترکہ تخیل تھا، جس پر پوری قوم متفق تھی، جو انگریز جہاں بھی تھا، خواہ وہ سپاہی ہو، یا گودام کا کلرک ہو، یا سوداگر ہو، یا ڈاکٹر ہو، یا جنرل ہو یا گورنر ہو، ہر ایک کے سامنے ایک ہی بلند مقصد تھا، اور وہ انگلستان کی سرملندی اور غلظت، لیکن ہندوستان کے سامنے باوجود طاقت و قوت کے کوئی ایک متحدہ غرض، مشترکہ جامعیت و واحد اساس کا راہ و بنیاد عمل نہ تھی، جس کا بچاؤ جس کی حفاظت، اور جس کا اعلا، پوری قوم کی غرض و غایت اور بنیاد بن جاتی، ہر نواب، ہر رئیس، ہر سپہ سالار، ہر سپاہی اور ہر نوکر کا مقصد اپنی فکر اور اپنی ترقی تھی، اس حالت میں نتیجہ معلوم،

اب ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے، دنیا کی ہر تمدن قوم کے پورے نظام زندگی کا ایک اصل الاصول ہوتا ہے، فرض کرو کہ آج رومی بانٹوسٹ کے پورے نظام کا ایک واحد نقطہ خیال ہے، اور وہ سرمایہ داری کی مخالفت ہے، جو اس نظام کی اصل اساس ہے، اب جس قدر اس نظام کی شاخیں، شعبے، صیغے اور کام ہیں، سب ایک اصل الاصول یعنی سرمایہ داری کی مخالفت پر مبنی ہیں، اسی طرح ہر ترقی یافتہ قوم کے تمدن اور نظام ہستی کا ایک اصولی نقطہ ہوتا ہے، جس کے تحت میں

اس تمدن اور نظام ہستی کے تمام شعبے اور فروع ہوتے ہیں،

آج انگریزی تمدن کی بنیاد انگریزی سرمایہ داری اور فریج تمدن کی بنیاد فریج سرمایہ داری اور امریکن تمدن کی بنیاد امریکن سرمایہ داری ہے، اگر کسی تمدن اور نظام کا یہ سرانکال دیا جائے، تو اس تمدن کے تمام اجزاء اور اس نظام کے پورے شعبے بے معنی میسود اور بے اساس ہو کر رہ جائیں، اور چندی روزین وہ تمام سررشتے تاریک حکومت ہو کر نابود ہو جائیں،

ہر قومی تمدن اور نظام ملت کو سمجھنے کے لئے اس کے اس اساس کا سررشتہ خیال اور اصل اصول کو سمجھنا چاہئے، جب تک وہ سرراہ نہ آئیگا اس نظام ملت کا الجھاؤ سلجھ نہیں سکتا،

بیان ایک اور نکتہ بھی پیش نظر ہے، کسی ملت و قومیت کا یہ سرمایہ تعمیر ہر کس و ناکس کا ممنون عمل نہیں ہو سکتا، بلکہ اسی شخصیت کا ملمہ جس کے دست صناعت نے اس ملت و قومیت کی یہ عمارت تعمیر کی ہے، اس نے جس مسالہ اس عمارت کو بنایا ہے وہی مسالہ اسکی مضبوطی استواری اور استحکام کا ذمہ دار ہے، جب کبھی اس عمارت کی تجدید و اصلاح و مرمت کی ضرورت پیش آئیگی، وہی مسالہ اسی قسم کا مسالہ اس کے اس کام کے لئے مہیا کرنا ضروری ہے، اگر کوئی دوسرا مسالہ اس میں لگایا جائیگا تو وہ اس وقت تک اس کیلئے بیکار ہوگا جب تک کہ کوئی اسکو ڈھاکر دوسری عمارت اس مسالہ سے نہ بنادے،

جس طرح ہر فرد کی الگ الگ ایک فطرت ہوتی ہے جو والدین سے اسکو ترکہ میں ملتی ہے اور جو عموماً بدلتی نہیں، اسی طرح ہر قوم و ملت کی بھی ایک فطرت ہوتی ہے، جو نسلاً بعد نسل خلف کو سلف سے اور انھوں سے پھیلون کو وراثت میں ملتی ہے، اور وہ بھی بدل نہیں سکتی، اس فطرت کا بایں غیر وہی ایمانیات و یقینیات ہوتے ہیں، جو اس ملت و قومیت کے بانی کے ہاتھوں اس کے اسلاف کو سپرد ہوتے تھے، اور وہ نسلاً بعد نسل تبواتر ایک دوسری پشت کو منتقل ہوتے رہے،

دنیا میں ہزاروں ملتیں اور قومیتیں ہیں، لیکن ان میں سے ہر ملت و قومیت کا اصل انفرادی

تخص اور امتیازی وجود گوشت پوست ہڈی اور رنگ و روغن سے نہیں یہ تو اوپری سطح اور ظاہری تشریح کے نشانات اور خطوط ہیں، ان کا اصل انفرادی مستقل تخص اور امتیازی وجود، ان ایمانیات و یقینیات سے ہے، جو ہر ایک کے دل میں بے اور ہر ایک کے رگ و ریشہ میں رہے ہوئے ہیں،

آج ہندوستان میں ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی، جین، سکھ، ہزاروں قومیں آباد ہیں، کچل و پھل اور رنگ و روپ کے لحاظ سے ان میں کوئی تفاوت نہیں، اگر ہے تو ہر ایک کے اس تخیل میں ہے جس اس کی ملت کی تعمیر ہوئی ہے، اس لئے کسی ملت کے تخیل کو بدل دینے کے معنی اس ملت کو مٹا دینے کے مراد ہے، دنیا میں جو کمزور قومیں فنا ہوئی ہیں، ان کی صورت یہی ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنا تخیل ایمانی چھوڑ کر کسی دوسری طاقتور قوم کے تخیل ایمانی کو قبول کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم مٹ گئی اور دوسری قوم میں ضم ہو کر وہ خود فنا ہو گئی، ہندوستان کے یونانی، سنی، اور بودھ کیا ہوئے، ایران ہندوون میں سما گئے، ایران کے مجوسی کدھر گئے، مسلمانوں میں مل گئے، مصر کے قبطی کمان گئے، عربوں میں شامل ہو گئے، سسلی اور اسپین کے عرب کیا ہوئے، اٹلی اور اسپین والوں میں گھل گئے، اس لئے ملت کے وجود کے لئے ایک کامل تخیل ایمان کے تغیر اور تبدل کا مسئلہ اتنا آسان نہیں، جتنا ایک ظاہرین سطح پرست کو نظر آتا ہے،

کسی قوم و ملت کی یہ تعمیری حقیقت، صرف اسی لئے ضروری نہیں، کہ وہ ہے، اور وہ اس سے بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی تجدید و اصلاح کی جب کبھی ضرورت پیش آئے تو اس حقیقت کا واقعہ کار اسی کے ذریعہ سے اس کی تجدید و مرمت کرے، اس کی وہ تعمیری حقیقت وہ ساز ہوتا ہے جس کے چھڑنے سے اس قومیت و ملت کا ہر تار اپنی جگہ پر حرکت کرنے لگتا ہے، اہل حق کے لئے توحید کی آواز، اہل صلیب کے لئے صلیب کی پکار، گاؤ پرست کے لئے گائے کی آواز، محروم و ظلم

کا حکم رکھتی ہے، جس سے ایک لمحہ میں قوم کی قوم میں جان پڑ جاتی ہے اور دست و ناکارہ قوم بھی کر دین بدلتے لگتی ہے اور آواز کی طاقت کے مطابق سرگرم عمل ہو جاتی ہے،
فرض کرو دنیا میں آج چالیس کروڑ کی تعداد میں ایک ملت آباد ہے، جس کا نام مسلمان ہے،
اس ملت کی حقیقت قومی کیا ہے؟ توحید الہی اور رسالت محمدی ﷺ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اگر کوئی اس ملت کی اس حقیقت تعمیری کو مٹا دے تو یہ چالیس کروڑ ملت واحدہ چالیس کروڑ قومیں
میں منقسم ہو کر دم کے دم میں فنا ہو جائیگی، اور یہ چالیس کروڑ افراد کا کاروان جو ایک صدی کا الہ
الا اللہ و محمد رسول اللہ کے جس پر حرکت کر رہا تھا، اب اس کی حرکت کے لئے مختلف آوازوں
کے چالیں جرسوں کی ضرورت پیش آئے گی، جس سے دنیا کی قوموں کا تصادم بجائے کم ہونے کے
حد قیاس سے زیادہ بڑھ جائیگا، اور ان کے باہمی جنگ و جدل کو کوئی ایک متحدہ آواز روک نہیں
الغرض ملت کی تعمیری حقیقت، ہر ملت کی روح ہوتی ہے، اس کی بقا سے اس کی زندگی اور
اس کی موت سے اس کی فنا ہوتی ہے، یہی ملت کے جسم کا گرم خون ہوتی ہے، جس سے رگ رگ میں
زندگی کی لہر دوڑتی اور سب عمل کی قوت بیدار ہوتی ہے،

اب اگر کوئی نا آشنا راز کسی قوم کی اس تعمیری حقیقت کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ
ہالیوے سے سر ٹکراتا اور سمندر کا رخ پھیرنا چاہتا ہے، جس میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، ہاں یہ
ممکن ہے کہ قوم ملت کے رہے سے نظام اتحاد اور رشتہ اشتراک کو اور درہم و برہم کر دے، اور کچھ افراد
کو اپنی غلط دعوت و تبلیغ کے اثر سے ایک غلطہ جماعت بنا لے، اور چھوٹی سی ایک نئی ملت کی
بنیاد ڈالے،

کسی قوم کی اسی اساس ملت، اور بنیاد تعمیر کا نام اس کا ایمان ہے، فرض کرو کہ ایک ہندو
قوم ہے اس کی قومیت کی بنیاد وہ خاص تخیلات و جذبات ہیں، جو ہندو ہمال سے اس میں پیدا

ہو کر اس کی حقیقت کے اجزائیں گھٹ پھٹ، ذات پات، چھوت چھات، گائے اور گنگا، وغیرہ بنائے
ہیں، جن سے اس کی قومیت کی تعمیر ہوئی ہے، بودھ کے عہد سے آج تک مختلف وقتوں میں مسیون
ریفارمر اس قوم میں پیدا ہوئے، جنہوں نے اس قوم کی ماہیت کے ان اجزاء کو بدل دینا چاہا ہے، مگر کیا
یہ آج تک ممکن ہوا؟ اور جب کبھی اس آواز میں عارضی کامیابی بھی ہوئی، تو بودھ، جین، کبیر پن্থی،
سکھ قومیں الگ الگ بن گئیں، مگر ہندو قومیت اپنی جگہ پر قائم رہی،
اسی طرح ملت اسلامیہ کی بنیاد توحید و رسالت اور تعلیم محمدی کی بنیاد پر ہے، اب اگر کوئی شخص
اس بنیاد کو اکھاڑنا چاہتا ہے، تو حقیقت میں وہ ملت اسلامیہ ہی کی بنیاد کو مٹانا چاہتا ہے، اور ہندو
سے اسی عمارت ہی کو گرا دینا چاہتا ہے۔

غرض دنیا میں ہر قوم و ملت کی تعمیر کسی نہ کسی اساس پر ہے، جس کو دوسرے لفظوں میں یون
کہو کہ کسی نہ کسی اصول ایمان پر ہے، جس کی بقا سے اس کی بقا اور جس کی فنا سے اس کی فنا ہے،
اب اس تشریح کے بعد اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہ ہوگا کہ دنیا میں کوئی ترقی یافتہ قوم
یا ترقی چاہنے والی قوم ممکن ہی نہیں، جس کے پاس چند ایمانیات نہ ہوں، یا یون کہو کہ چند اصول
اصول حیات، یا اصول نظام نہ ہوں، جن سے اس کی قومیت کی تخلیق ہوتی ہے، اور جن پر اس کی
ملت و تمدن و حیات اجتماعی کی عمارت قائم ہوتی ہے، اور جو اس کے مشترک افراد کے درمیان
اشتراک کا کام دیتے ہیں، اور جن کے تحت میں اس قوم کے نظام حیات کے تمام شعبے مکمل ہوتے
ہیں، یہاں تک کہ کافر و مشرک قومیں بھی اس سے خالی نہیں ہیں، ان کے بھی تمام اعمال و افعال
چند یقینی تخیلات اور عقائد ہی کے تحت میں آجاتے ہیں، اس حالت میں یہ کہنا کہ ایمانیات کے بغیر
ترقی کے حسن عمل یا انسانیت کی نیکی کردار کا وجود ہوتا ہے، حقائق سے ناخوشی کا ثبوت دینا ہے،
ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کیا، بلکہ نفس عمل اور نفس کردار ہی کا وجود ممکن نہیں ہے

اگر بحث ہو سکتی ہے تو اس میں نہیں کہ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ اس میں کہ ان ایمانیات کے تحت میں حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود زیادہ بہتر ہو سکتا ہے یا ان ایمانیات کے تحت میں؟ لیکن یہ نہیں کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی ایمان کے بغیر کوئی عمل کبھی نظام حیات کے بغیر کوئی بلند کارنامہ حیات اور کسی بنیاد کے بغیر کوئی مستحکم عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ تم اس کا نام انسانیت رکھو، قومیت رکھو، وطنیت رکھو، باشوازم رکھو، بت پرستی رکھو، یا توحید و خدا شناسی رکھو جو چاہے رکھو اور جو چاہے قرار دو، مگر ہر حال یہ مقدمہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ ایمان کے بغیر عمل صالح کا وجود ممکن ہی نہیں،

اب سوال یہ ہے کہ ہمارا وہ اساسی خیال جس پر ہماری ملت کی بنیاد ہو، اور جو ہمارے تمام اعمال کا حشر بنے کیا ہونا چاہیے؟

دینا کی قوموں نے اس ملت کی بنیاد جغرافی حدود اور نسلی خصوصیت کو قرار دیا اور میون کی ہندو سارہ حکومت رومی وطنیت کے ہمارے پر قائم رہی، ہندوؤں، پارسیوں اور یونانیوں کی قومیت نسلی امتیاز پر مبنی ہے، یورپ کی موجودہ قومیتیں نسل و وطن کی دوہری دیواروں پر کھڑی ہیں، لیکن غور کرو کہ جغرافی حدود اور نسلی و وطنی خصوصیات نے قوموں کو کتنا دلننگ، محدود خیال اور متعصب بنا دیا ہے۔ دنیا کی اکثر خورزریاں اور لڑائیاں اور قومی منافرتیں، انہیں جذبات نے پیدا کی ہیں، قدیم تاریخ میں ایران و روم کی صد سالہ جنگ اور خود یورپ کی گذشتہ عالمگیر جنگ جس میں انسانوں نے انسانوں کو درندوں کی طرح حیرا اور پھاڑا، اسی نسلی و وطنی جذبات کی شعلہ افروزی تھی،

پھر نسلی و وطنی افتراق قوموں کے درمیان وہ خلیج ہے جس کو انسانوں کے ہاتھ کبھی پاٹ نہیں سکتے، بلکہ خود دست فطرت اس کو پاٹنے کے بجائے اس کے بڑھانے میں کوشاں رہتا ہے، نہ تو فطرۃً کسی نسل و قومیت کا کوئی پیدا شدہ انسان دوسری نسل و قومیت میں داخل ہو سکتا ہے، اور نہ ایک مقام

کا پیدا شدہ دوسرے مقام کا پیدا شدہ بن سکتا ہے،

پھر ان دونوں کے دائرے اس مضبوطی سے فطرۃً محدود ہیں کہ ان کے اندر تمام دنیا تو کیا، چند قوموں کے سامنے کی بھی وسعت نہیں ہے، ان دونوں کے جذبات و احساسات صرف ایک مختصر و محدود قوم کی جامعیت کا کام دے سکتے ہیں،

پھر ان دونوں محدود تصورات کے ذریعہ سے اگر انسانوں میں کچھ شریفانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہیں تو وہ انہیں تنگ جغرافی و نسلی دائروں تک محدود رہیں گے، اور کبھی تمام دنیا کے اس کے اندر سما جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، علاوہ ازیں ان اساسی تصورات کے ذریعہ جن بلند انسانی اخلاق اور کیرکٹر کا پیدا کرنا مقصود ہے، ان میں سے صرف نسل و وطن کی حفاظت کی خاطر شجاعت، ایثار اور قربانی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، مگر عمومی نیکی، تواضع، خاکساری، رحم، شفقت، عفت، صدق، امانت وغیرہ سیکڑوں ایجابی اور سلبی اخلاق ہیں، جو ان کے ذریعہ نہ کبھی پیدا ہو سکتے ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔

آج کل کے یورپین ارباب فکر نے اس نکتہ کو پالیا ہے، اور یورپ کی تمام جنگ و جدل اور باہمی ہنگامہ آرائی اور تقابل کا وہ پتھر جس سے ان کی دولت اور تہذیب و تمدن کا شیشہ چور چور ہو رہا ہے اسی تنگ و محدود وطنیت و قومیت کو قرار دیا ہے، اور سمجھ لیا ہے کہ یہی وہ دیوتا ہے جس کی یورپ کی تمام قومیں بھینٹ چڑھ رہی ہیں، ہر قوم کے تمام دو لہندوں کی دولتیں، تمام عالموں کا علم، تمام سائنس دانوں کی سائنس، تمام صنائع و معنوں کی صنعتیں، تمام موجودوں کی ایجادیں، اپنی قوم کے سوا دنیا کی دوسری انسانی قوموں کی گرفتاری، محکومی، بربادی اور ہلاکت میں صرف ہو رہی ہیں، اس لئے انہوں نے چاہا ہے کہ وطنیت و نسلیت کی محدود تنگنائیوں سے نکال کر، انسانیت اور انسانیت پرستی کی وسعت آباد میں لگے آئیں، مگر یہ ایسا غیر فطری خیال ہے کہ ان ہیومنیزم (انسانیت پرستوں) کی تعداد انہی پر گنی جاسکتی ہو، اور ہنوز خود ان واعظین کے حلق کے اندر یہ چیز فرو نہیں ہوئی اور اب تک ایک مختصر

سوسائٹی کے افراد کے سوا جو بطور نئے فیشن کے اس میں شریک ہیں کسی انسانی دل کی گہرائی تک اسے رسائی نہیں حاصل کی،

موشلزم اور بانٹو ازم اور دوسرے اقتصادی خیالات سے بھی بھلائی کی توقع نہیں کہ اسے خود انسانوں کو سرمایہ دار اور غیر سرمایہ دار دو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے وہ سب کچھ کیا ہے اور کرنا چاہتی ہے، جو کبھی مذہب اور مذہبی محکمہ تقشیش بنے انجام دیا ہے، قوموں کے ساتھ ان کی نا انصافی کا تماشا ابھی تک دنیا ترکستان سے لیکر آذربائیجان تک دیکھ رہی ہے، اگر زبردستی کوئی بری چیز ہے تو مذہب سے زبردستی روکنے کی اتنی ہی بڑی چیز ہے، جتنا زبردستی مذہب پھیلانا، اگر مسلمانوں کا گرجاؤں کو توڑنا اور عیسائیوں کا مسجدوں کو منہدم کرنا ناجائز ہے، تو محمد بن کا ان دونوں کو مسمار کرنا بھی ناجائز ہے، پھر ان تخیلات میں جنگی بنیاد محض بیٹ اور دولت کی مصفا نہ تقسیم ہے، کسی اخلاقی نصب العین بننے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، اسی لئے انکا محدود نظریہ نظام ہستی اور نظام زندگی کا معما حل نہیں کر سکتا، اگر کر سکتا ہے، یا کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے، تو وہ صرف نظام معیشت ہے، اور با این ہمہ یہ فیصلہ ابھی باقی ہے، کہ یہ جیسے ایک جماعت، یا ایک قوم سے بڑھکر پوری دنیا کے لئے سپاہیہ رہتی ہو سکتی ہے؟

ان سب کے باوجود یہ ہے کہ ضرورت یہ ہے کہ نسلیت و وطنیت کے تنگ دائروں سے نکل کر جس عمومی تصور کو اساس ملت بنایا جائے، اس میں بقا اور دوام کی صلاحیت ہو، سوسائٹیان اور چارمیتین جنگی بنیاد کسی مادی خود غرضی اور منفعت اندوزی پر رکھی جائے وہ قائم نہیں رہ سکتیں، چنانچہ جب سے دنیا بنی ہے خدا جانے مادی اغراض کی بنا پر کتنی جماعتیں اور مجلسیں قائم ہوئیں اور مٹ گئیں، انہیں رو بہ نیستی اور بگڑتی ہیں، اور سوسائٹیان روز پیدا ہوتی اور مرنے لگتی ہیں، ایسی ناپائدار اور سطحی چیزیں قومیت و ملت کی بنیاد اور اساس نہیں بن سکتی ہیں اور نہ وہ ہمارے عمل کا اصول اور معیار قرار پاسکتی ہیں۔

غرض عالمگیر عمومی اور دائمی اساس ملت اویسے بنیاد عمل بننے کے لئے ضروری ہے، کہ جو چیز اساس و بنیاد قرار دی جائے، اس میں حسب ذیل خصوصیتیں ہوں،

- ۱۔ وہ کوئی مادی غرض و غایت کی چیز نہ ہو، جو ہمیشہ بدل جاتی رہی،
 - ۲۔ وہ کوئی محدود وطنی، نسلی، بت نہ ہو، جو اپنے وطن و نسل سے باہر جا کر زندہ نہ رہ سکے،
 - ۳۔ وہ قومی، نسلی اور وطنی منافرتوں اور تفرقوں کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر عالمگیر اتحاد و راحۃ کی بنیاد ڈال سکے،
 - ۴۔ وہ تجمل عقیدہ بن کر ہمارے نیک افعال کا محرک اور برے افعال کا مانع بنے، وہ انسانوں کو نیکی کے لئے ابھار سکے اور برائی سے روک سکے،
 - ۵۔ وہ ایک ایسا دائمی صحیح اور سچا عقیدہ ہو جس کو مان کر اس برادری میں داخل ہونے میں کسی کو دقت نہ ہو،
 - ۶۔ وہ ایک طرف بندوں میں اپنے خالق کے ساتھ گرویدگی اور بندگی کا تعلق پیدا کرے اور دوسری طرف اپنی ہم جنس مخلوقات کے ساتھ محبت اور اولے حقوق کا جذبہ پیدا کرے،
- ”باقی“

غیر مالک کے لئے سیر کی تقریریں

(لارڈ ہڈے فاروق کی تقریریں منگوائیں)

غیر مالک میں ۳ ہزار تقریریں (مرتبہ لارڈ ہڈے) کی مفت تقسیم کا فیصلہ کیا گیا ہے، یہ تقریریں پانچ زبانوں (اردو، انگریزی، گجراتی، تامل اور گورکھی) میں ہیں غیر مالک کے مسلم یا غیر مسلم تہ ذیل سے بالکل مفت طلب فرمائیں (سکرٹری دفتر اشاعت سیرت، پٹی (Patt) ضلع لاہور)

ماثر نظامی

یعنی
سوانح حیات آصف جاہ

از

جناب محمد سراج الدین صاحب طالب جبر آبادی

یہ لالہ منارام کی ایک کیاب اور نادر الوجود تصنیف ہے، منارام آصف جاہی، بھوانی داس غازی الدین خانی کے فرزند، بالکشن عابد خانی کے پوتے اور چچی ناراین شیفتی کے والد تھے، خانی تخلص کرتے تھے،

بھوانی داس عابد عالمگیری میں لاہور سے شاہی لشکر کے ہمراہ دکن آئے اور اورنگ آباد میں اقامت اختیار کی، منارام اپنے والد کے انتقال کے وقت دس برس کے تھے، ان کے والد کے انتقال کے بعد ان کے اعزہ میں اور کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا، جو ان کی پرورش کا بار اٹھاتا، اس لئے ان کے ہجوم لالہ جونت رائے نے ان کی پرورش و پرداخت اپنے ذمہ لی، ان کی تعلیم و تربیت بھی انھیں کی سرپرستی میں ہوئی یہ غلام علی آزاد بلگرامی کے عصر میں موجود تھے، ان کی بیعت اپنے والد کی بنیاد پر انھوں نے ان کی ملازمت کے لئے دیوان وقت صمصام الدولہ شاہنواز خان سے سفارش کی چنانچہ ان کی سفارش پر وہ دکن کے بخشی الممالک کی پیشکاری کی خدمت پر عرصہ تک امور و کار گزار رہے، اس کے علاوہ انھوں نے دکن کے صوبہ جات کی پیشکاری کی خدمت بھی مغفرت آباد آصف جاہ اول کے عہد میں انجام دی ہے، بہر حال یہ دوران کے باپ دادا تقریباً پچاس سال

سرکار دولتمدار میں برسر ملازمت رہے،

دربار آصفی سے اپنے انھیں آبائی تعلقات کی بنا پر انھوں نے تاریخ دکن کے مطالعہ کرنیوالوں کے لئے جو یادگارین چھوڑی ہیں، ان میں ایک تو رسالہ دربار آصفی ہے، اور دوسری ماثر نظامی، دربار آصفی میں آصف جاہ کے دربار اور ان کے عہد کے بعض ضوابط و احکام و اخبار درج کئے گئے ہیں، یہ رسالہ ۱۲۰۹ھ میں اسد اللہ صاحب عرف میر نواب کی حسن سعی سے طبع ہو چکا ہے، لیکن ابھی تک ان کی دوسری تصنیف ماثر نظامی سے اکثر لوگ ناواقف ہیں کہ اس کا شائع ہونا تو کجا اس کے قلمی نسخے بھی بہت کم دیکھنے میں آئے ہیں یہاں ہم اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں،

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ و فردیوانی و مال علاقہ سرکار عالی کے کتب خانہ میں موجود ہے، جو (۱۲۶۲ھ میں) منشی چھو لال کے قلم کا تحریر کردہ ہے، یہی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، اس کے دیباچہ کے مطلع سے معلوم ہوتا ہے کہ صمصام الدولہ شاہنواز خان کی طرح انھوں نے بھی زمانہ گوشہ نشینی میں یہ کتاب مرتب کی ہے، یہ آصف جاہ ثانی (میر نظام علیخان) کے عہد میں خدمت سے علیحدہ ہو کر خلوت گزین ہو گئے تھے، اور اسی عالم تنہائی میں تاریخ و تیسر کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، دوران مطالعہ میں کسی امیر کا ایک مسودہ ان کی نظر سے گذرا جو خاندان آصفیہ کے حالات پر مشتمل تھا، اس کو دیکھ کر انھیں بھی اپنے ان مسودات کو ترتیب دیکر مکمل کر دینے کا خیال پیدا ہوا جنھیں وہ قبل اذین کچھ جمع کر چکے تھے چنانچہ انھیں مسودات کو ترتیب دیکر ۱۲۰۹ھ میں تیار کیا اور اس کا نام ماثر نظامی رکھا، مولف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اختتام تک اس کو حالت گوشہ نشینی میں اونیس سال گزار چکے تھے، لیکن کتاب ختم کرنے کے بعد ہی نظام علیخان اسد جنگ آصف جاہ ثانی کی فوارش و قدردانی

لے انھوں نے اپنی مشہور تاریخ ماثر الامراء اس زمانہ میں ترتیب دی، جبکہ ان پر آصف جاہ کا عتاب تھا اور اسی بنا پر وہ گوشہ گزین درویش بن گئے تھے،

سے ان کا ذکر خیر دربار میں آیا، اور یہ یاد فرمائے گئے، اور اسکی یاد فرمائی کے بعد وہ اپنی اسی مختصر تالیف کو لیکر آصفیہ ثانی کے دربار میں حاضر ہوئے، اور اپنی تالیف پیش کر دی،

یہ کتاب مغفرت باب (اصفیاہ اول) کے سلسلہ حسب و نسب سے شروع ہوتی ہے اصل سودہ کا نہ کوئی دیباچہ ہے اور نہ کوئی تمجید جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ کس نے لکھا اور کس وقت اور کس بنا پر لکھا گیا، اس کو لالہ صاحب نے اپنی تصنیف میں شریک کر کے اپنے ہی دیباچہ کے ساتھ اسکا آغاز کر دیا ہے، اصفیاہ کے جد مادری کے باب میں اس نے (یعنی سودہ کے مرتب نے) علامہ سعد اللہ خان کے اکثر واقعات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سودہ کے مرتب کو علامہ موصوف سے خاص عقیدت تھی، اور ان کے متعلق اچھے معلومات اس کے پاس جمع تھے،

ان دونوں باب (سلسلہ حسب و نسب) کے ختم کرنے کے بعد اصفیاہ اول کے حالات زندگی پیدائش کے وقت سے شروع کئے ہیں،

اصفیاہ اول بادشاہ عالمگیر کے عہد میں پیدا ہوئے ہیں، یہ شرف انھیں کو حاصل ہے کہ انھوں نے کم سنی ہی میں عالمگیر جیسے بادشاہ کے دربار سے مناصب و خدمات پائے عالمگیر کی ان سرفرازیوں کو اس کتاب میں بڑی تفصیل سے دکھایا گیا ہے، آصف جاہ کے حال پر عالمگیر کی وہ عنایت و محبت قابل ذکر ہے جو انھوں نے اس وقت کی ہے جب کہ وہ (آصف جاہ) اپنے والد سے کسی امر پر آزرہ خاطر ہو کر دربار شاہی تک پہنچ گئے تھے، اور عالمگیر ان کی اس حرکت سے گو حقیقتہً مخطوط ہوئے، لیکن اپنے اصول و ضوابط کے تحت انھوں نے ان (آصف جاہ) کو ایک مہینہ تک دربار میں حصول ملازمت و باریابی کی اجازت مرحمت نہیں کی، آخر جب سعد خان جمود الملک کے توسل سے وہ شرف اندوز ملازمت ہوئے تو سب سے پہلے عالمگیر نے حکم دیا کہ اپنے والد سے قدموں ہو کر معافی چاہیں، اور پھر جلد حضور میں حاضر ہوں، اس

موقع پر بادشاہ عالمگیر نے اپنے دستخط خاص سے آصف جاہ کے والد فیروز جنگ کو یہ شفقہ لکھا کہ:-

”فدوی زادہ اخلاص پرور حسین قلیج خان بہادر (لے اصفیاہ) میگوید کہ ان کفر لغیر
لناؤ تو ختمنا لکھتے ہیں“

اس خاص واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر آصف جاہ کو کتنا چاہتے تھے، عالمگیر کی ان پر مبنی عنایتوں کی غرض و غایت اس واقعہ سے واضح ہوتی ہے جو شہسہ جلوس عالمگیری میں پیش آئی تھی یہ کہ واکن کھڑے کی تیگر کے بعد خواجہ اختیار خان (معتد بادشاہ عالمگیر) حسب حکم بادشاہ پیغام غلامت کے ساتھ آصف جاہ کے پاس آئے اور ایک بادشاہ زادی سے نسبت کی تجویز پیش کی جس پر اصفیاہ کے ساتھ تقریباً ایک پہر خلوت میں سرگرم گفت و شنید رہے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی نالائقی سے اس کو قبول نہ کیا، اور ترک ادب کے عذر پر اپنی عرضی میں بادشاہ سے معذرت چاہی، بہر حال ایسے واقعوں سے آصف جاہ کی شخصیت پر خاص روشنی پڑتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سودہ کا مرتب کنندہ ابتدائے عہد سے آصف جاہ کے حیات و واقعات کا گہرا مطالعہ کرتا رہا ہے۔

آصف جاہ اول شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں شش ہزاری شش ہزار سوار کے منصب او اور خطاب خان دوران سے سرفراز ہوئے، اور صوبہ داری اور فوجداری لکھنؤ پر مامور ہوئے، اس کے بعد انھیں کے عہد میں خدمت و منصب ترک کر کے گوشہ عافیت اختیار کیا، اس کی وجہ اس سال کے اصل مولف نے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے:-

”چون فراخ صغلی و کشادہ دستی دوست خلق بادشاہ کہ سوال احدے روئی شد در اکثر

کار ہا افراط و تفریط پدید می آمد و مراتب و مناصب و خطاب را مطلق و قعی و دوقری نماز

برگزیدہ جناب کبریائی (اے آصف جاہ) را عالمگیر بادشاہ موافق مزاج خود تربیت نمود

بود و کار باے آن وقت نسبت برودہ عہد عالمگیری نداشت رنجیدہ خاطر و کبیدہ دل شدہ

اصل مسودہ جو لالہ منار رام کو اس کتاب مآثر نظامی کی تدوین و ترتیب کا محرک ہوا اصفیاء
اول کے سنبھل مراد آباد کی صوبہ داری پر مامور ہونے کے مقام پر ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد کے
واقعات انھوں نے دوسری تاریخوں سے جمع کئے ہیں، لالہ صاحب نے اس کا اظہار اس کتاب
میں ان الفاظ میں کیا ہے،

”تایں حال تسوید از امیرے کہ این فانی بنیاد خاکی نہاد آن را به بیاض آورد“

دیگر احوال از جاہا مثل سردار و خزانہ عامرہ وغیرہ اخذ کردہ یہ تکمیل آن می بردا“
اصل کتاب وفات اصفیاء پر ختم ہوتی ہے آخر میں ان کے بعض اشعار نقل کئے ہیں غفر
مکان (اعلیٰ حضرت میر محبوب علیخان) کے عہد میں آقا میرزا نصر اللہ فدائی کے اہتمام سے انکا
وہ دیوان شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے شاعر تخلص کیا ہے، اسی دیوان کے دیباچہ میں آقا صاحب
نے اصفیاء کا مختصر سا تذکرہ لکھا ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ انکا ایک اور دیوان بھی ہے جس میں
انھوں نے آصف تخلص استعمال کیا ہے، اس کتاب میں لالہ صاحب نے ان کے اسی دیوان کے
منتخب اشعار لکھے ہیں کہ ان میں جتنے مقطعات ہیں سب میں تخلص آصف ہی ہے،

انتخاب دیوان کے ختم ہو جانے کے بعد کتاب کی تعلیقات شروع ہوتی ہیں، جو بلا شرکت غیر
لالہ صاحب کی ذاتی تحریرات ہیں ان میں سب سے پہلے اصفیاء اول کے وصایا ہیں، اور یہ وہی
ہیں جنکو انھوں نے رسالہ دربار آصفی میں لکھا ہے، ان وصایا کا ذکر ان کے معاصر کسی اور مورخ
نے نہیں کیا ہے، لالہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ضیاء الدین حسین خان صدر الصدور

نے قلمبند کیا، اور علم عوام تک لالہ صاحب نے پہنچایا، ان کے متعلق وہ اپنے رسالہ دربار آصفی
میں لکھتے ہیں کہ آصفیاء اپنے احتضار کے وقت اپنے فرزند ناصر جنگ کو وصیت کر رہے تھے، فوت

لے تذکرہ حال جات غفرت آب صفحہ ۳۳، لے رسالہ دربار آصفی صفحہ ۱۰۴

صدر الصدور مذکور نے پاس کی قنات کی آرٹین ٹھہر کر پینل کے قلم سے (جس کو موسخ موصوف
قلم فرنگی کہ از سرب سازند کہتا ہے) ان وصایا کو لکھ لیا، اس وقت لالہ صاحب بھی ان کے پیشکار
کی حیثیت سے حاضر تھے، انھوں نے بھی ان کو نقل کر لیا، ہم ان وصایا کو آصفیاء کی زبان نہیں
سمجھتے، بلکہ صدر الصدور صاحب موصوف کی عبارت خیال کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس
زمانہ میں زبان اردو کا رواج ہو چکا تھا، آپس کی بول چال اسی زبان میں ہوتی تھی، کچری دیا
میں یہی زبان تقریری زبان تھی البتہ بھی اس کا رواج تحریر میں عام نہیں ہوا تھا، اس لئے قیاس
یہ ہوتا ہے کہ صدر الصدور صاحب نے اس کو سنا تو روزمرہ اردو میں اور نقل کیا فارسی میں،
وصایا بعد لالہ صاحب نے مناقب آصفیاء جمع کئے ہیں، جو تعداد میں چودہ انوسے ہیں، ہر ایک
منقبت میں ایک واقعہ بیان کیا ہے، جس سے یا تو کوئی تاریخی بات معلوم ہوتی ہے، یا خود اصفیاء
کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے، ان مناقب کی نسبت ان کا ادعا ہے کہ یہ وہی ہیں جنکو یا تو برسر
خود انھوں نے اپنے کافون سنا ہے یا ان معبرا صاحب سے سنا ہے، جو حضور میں حاضر باش رہا کرتے
تھے، چنانچہ ان کے تھیدی الفاظ یہ ہیں:-

”مناقب والا مرتبت سراسر ہدایت جناب مستطاب حضرت آصفیاء علیہ الرحمۃ

والرضوان انچہ این فانی بلا واسطہ غیر بگوش ارادت نبوش سماعت نمودہ و بعض از

معتبران حضور پر نور حاضر باش یافتہ“

یہ حصہ اس کتاب کی جان ہے، اور جو کچھ اہمیت اس میں ہے، وہ اصل کتاب سے بہت زیادہ
ہے، اس سے اکثر ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں، جو اور کتابوں یا تاریخوں میں موجود نہیں ہیں،

ان مناقب میں لالہ صاحب نے ان واقعات کو بھی داخل کر دیا ہے، جو اپنے رسالہ دربار آصفی

میں ایک بار وہ لکھ چکے تھے، مثلاً ابو الخیر خان کے رسالے کے ان سواروں کا واقعہ جو منفرت آباد

کی سواری میں حاضر ہو کر اپنے بخش کے نوسل کو ترک کر کے خود ان سے اپنی دو ماہدہ سہ ماہہ تنخواہ کے طالب ہوئے اور جب اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اپنے بخش سے طلب کرو تو ان سواروں نے جواب دیا کہ ہم نے نوکری آپ کی کی ہے بخش کی نہیں کی، رسالہ دربار آصفی میں یہ امر البتہ اضافہ ہے کہ یہ سوار اپنی لڑکیوں کی شادی کے لئے اپنے وطن جانا چاہتے تھے، اور یہی ظاہر کر کے انھوں نے مغفرت مآب سے اپنی اپنی تنخواہ طلب کی تھی،

خجستہ خیاد اور نگ آباد میں رابعہ دورانی کا ایک مقبرہ ہے جسکو تاریخوں میں باغ بیگم کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، قیاس یہ ہوتا تھا کہ ان بیگم کی تدفین سے پہلے یہ مقام ان کا باغ ہوگا، ان کے دفن کے بعد بھی وہ اسی نام سے موسوم رہا، لیکن لالہ صاحب کے اس باب کی ایک منقبت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام بیگم کا مقبرہ پڑ گیا تھا، مگر اس کے بعد پھر موقوف ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ حضرت مآب نے بیگم کے باغ کو سیر کی غرض سے جانے کا ارادہ فرمایا، اور حکم دیا کہ وہاں جب سنا تیار ہو، تکمیل انتظام کے بعد دارودنہ دیوان خانہ نے معروضہ کیا کہ حسب احکام بیگم کے مقبرہ میں تیار ہو چکی ہے، اس پر مغفرت مآب کو کچھ اور خیال آگیا، اور انھوں نے معاف فرمایا کہ مقبرہ تمہیں کو مبارک تم ہی وہاں جاؤ اور اس کے بعد سواری موقوف رہی، اور فرش فروش واپس طلبہ کے لیا گیا، پھر جب کبھی حضور میں اس مقام کا ذکر آتا تو باغ بیگم ہی کا نام لیا جاتا، اس کے بعد ہی ایک فقرہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آصفیہ کے حضور میں کسی کے مرنے کی اطلاع عام طریقہ سے نہیں دی جاتی تھی، بلکہ موت واقع ہونے کے تین دن بعد عرض کیا جاتا کہ فلان شخص یا امیر نے صحت کلی پائی، اس کی وجہ لالہ صاحب ہی نے ایک اور منقبت مابعد میں اس طرح بیان کی ہے: کہ ایک روز حکم ہوا کہ کسی کے مرنے کی اطلاع سیوم ہونے کے بعد صحت کلی پانے کے کنا یہ میں ہوا کرے اور جو شخص کہ نماز جنازہ میں شریک ہو حضور میں تین روز تک نہ آئے، یہ غلبہ رہا

کی تقلید معلوم ہوتی ہے، جہاں کسی امیر کے مرنے کی اطلاع بادشاہ وقت پر سے تصدیق ہو جانے کے کتنا سے کی جاتی تھی، اور دربار اور محل میں مرنے کا محسوس لفظ استعمال نہیں ہوتا تھا،

مناقب کے بعد سب سے آخر میں انشا بخشی رام سنگھ سے آصفیہ کے چند عنایت نامے، مراسلات اور عرضداشتیں منتخب کر کے جمع کئے ہیں، ان میں کوئی خط یا کوئی مرسلت قابل ذکر نہیں ہے، لالہ صاحب نے اس حصہ کو اپنے نام کے ان خطوط پر ختم کیا ہے، جو ناصر جنگ شہید نے اپنے عہد میں ان کے نام لکھے ہیں، اور یہ صرف دو ہیں، ان دونوں خطوط کا تعلق آصف جاہ سے نہیں ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ لالہ صاحب نے اس خیال سے ان کو بیان داخل کیا ہے، کہ نظام علی خان جن کے ملاحظہ میں یہ کتاب انھوں نے پیش کی ہے، ان خطوط کے مطالعہ کے بعد لالہ صاحب کے تعلقاً اور اثرات سے متاثر ہو کر ان سے اپنی کدورت کو رفع کریں،

الفصل اس کتاب کی تالیف کا منشا یہ ہے کہ آصف جاہ کے متعلقہ جملہ حالات کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اس ایک کتاب سے ان کے متعلق جتنے معلومات فراہم ہو سکتے ہیں، کسی اور تاریخ سے نہیں ہو سکتے، اس اعتبار سے اگر اسکو سوانح حیات آصفیہ کہا جائے، تو بجا نہیں ہے،

خلفاء راشدین

سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی حالات، فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے،
جسم ۵، ۴ صفحہ، قیمت یہ ہے۔

"منہج"

شہر طوس ماضی حال کے آئین

از

جناب شمس لہری صاحب پٹنہ

طوس کی ابتدائی تاریخ پر وہ خفایں ہے، کیونکہ معلومات کی حد جہاں تک پہنچتی ہے اس کے سرف اس قدر واضح ہوتا ہے کہ یہ شہر ازمنہ سابقہ میں آباد ہو چکا تھا، اور ستارز و شتون کا صحیفہ ہادی ہندون کی دیوبانی پیشک کی طرح متفرق و فائرین تقسیم ہے، اس کا ایک دفتر جو بنی داد (Dard) کے نام سے موسوم ہے، اور بائیس فرجاد پر مشتمل ہے، اس میں یزدان، یا ایزد اور اہرمنیوں یعنی اہرمین کی تخلیق کا تذکرہ ہے، اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایران کے اندر سولہ نئے شہر آباد کئے گئے جن میں سے ایک طوس بھی تھا، ڈارمستیر (Darmesteter) منترجم بنی نے ان میں سے چند ناموں کی توضیح کی ہے، لیکن پروفیسر براؤن (Brown) نے نہایت تشریح سے ان شہروں کے قدیم مذہبی اور موجودہ نام بیان کئے ہیں، روایات اور مقامی پتھانگوں سے ان مقامات کی قدامت کا پتہ ملتا ہے، گو فروعات میں تضاد پایا جاتا ہے صاحب نزہۃ القلوب تحریر فرماتے ہیں:-

”جیشہ پنداری ساخت از فریں طوس نودر نجد معارف آن گرد و بام خوب منسوب

گردائند“

برعکس اس کے بہت اقاہم میں مرقوم ہے:-

”این ولایت (شہر مقدس) در ازمنہ سابقہ بطوس شہرت داشت و باعث آبادانی دلی

طوس بن نودر بود چنانچہ در شاہنامہ مرقوم است.....“

حکیم الهند ہر دو بیانات کے برخلاف تحریر فرماتے ہیں:-

”اصفہان در قدیم الایام دار ایسود نام داشت از بہت کہ چون بنی اسرائیل از بہت نصر

گر نختند بارہ از خاک بیت المقدس گرفتہ گرد عالمی گشتند و خاک اصفہان را برابر خاک

بیت المقدس یافتہ، آنجا شہرے بنا کر و مذہب موسوم بدار ایسود.....“

اسکندر اعظم کے مشہور سفر سے اس شہر کی تاریخی حیثیت قابل وثوق ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ ثابت ہو

کہ وہ دوران سیاحت میں کوہستان (Arakia) گیا تھا اور وہاں سے (Arakia)

اور صوبہ کے پایگاہ شہر سو سیامین داخل ہوا تھا، اور ساگس (Saghis) نے شہر سو سیامین کی طوس

کے ساتھ عینیت قائم کی ہے، اب تک طوس کے روایتی پہلو سے بحث کی گئی لیکن روایت کو بدوین تفصیل

اور تحقیق کے یقین کر لینا اصول درایت کے خلاف ہے، اس کے بجائے وقوع سے ہم آسانی اس کے

تحقیقی پہلو کو روشن کر سکتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کشف رود کی وادی میں آبیاری کا سامان ہو جو

ہے جس کے باعث وہ خراسان میں سب سے زاید زرخیز زمین ہے، لہذا یہ یقینی ہے کہ وہ ابتدائی زمانے

سے اہمیت کا مرکز رہا ہے، یہاں کی زمین زرخیز ہونے کے علاوہ بہو طرز میں بھی ہے،

لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ طوس جو کھنڈروں پر مشتمل ہے، آیا وہی قدیم طوس ہے؟ اس سوال

کا جواب اثبات میں دینا کسی قدر مشکل ہے، دوسرا سوال یہ بھی ہے کہ کیا طوس کسی شہر کا نام تھا،

یا اسی نام کا کوئی ضلع تھا؟ جہاں تک تاریخی شہادتیں ہم پہنچتی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ تاریخ کے

متفرق دور میں نام شہر اور ضلع دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے، ساگس ایران کے مشہور سیاح

گردائند

نے قدیم مقامات کے متعلق خراسان کے متعدد باشندوں سے تحقیقات کی اور اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس
 وادی کا سب سے قدیم شہر ویران جگہ ہے جو اب شہر بند (CITY OF THE DAM) کے نام
 سے مشہور ہے، لیکن اوائل زمانہ میں تھوہ (ZAH KHA) کے نام سے موسوم تھا یہ مقام شہر
 سے دس میل شمال و مغرب اور طوس سے ہم میل جنوب و مشرق میں واقع ہے، اس سے قریب ایک میل
 کی فاصل پر پائین جانب کشف روہ ہے اور اس دریا میں طوس سے قریب دو میل بالا ایک قدیم بند کے
 آثار پائے جاتے ہیں، لہذا یہ خیال کرنا درست ہو گا کہ زمانہ تیارخ سے قبل شہر طوس کی آبپاشی کیلئے
 پانی اس کے توسط سے حاصل کیا جاتا تھا، اس وقت شہر بند کی تفصیل پانی میں گر کر مد توں زیر آب رہنے کی
 وجہ سے کچ کا ڈھیر بن کر رہ گئی ہے اور اس کے قریب کسی گھاٹ کا بھی کوئی نشان نہیں ملتا ہے، یہ
 ایک وسیع رقبہ کو احاطہ کئے ہوئے تھی اور اس امر میں شک کی گنجائش نہیں کہ اس کے اندر ایک بڑا
 شہر آباد ہو گا جس کی تفصیل طوس کی فصیلوں سے قبل تعمیر ہوئی ہوگی، شہر سے متصل ایک دلدل ہے جسے
 علاقہ تھوہ کہتے تھے، اور وہ اسی نام کے ایک گاؤں کے سامنے سے گذرا ہے، اسی وجہ سے یہ قدیم نام
 ابھی تک باقی ہے۔

طوس کی ابتدائی تیارخ کا جہان تک تعلق ہے، ہمیں مذکورہ بالا روایات سے زیادہ کوئی او
 ات نہیں ملتی، زمانہ وسطی کی تاریخوں میں سب سے پہلی روایت یعقوبی کی ملتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ "طوس
 کا نصف اکبر فوقان کے نام سے مشہور تھا اور فوقان جیسا کہ معلوم ہے، بلاد خراسان کا مشہور شہر تھا،
 صاحب جم البلدان بطبریوس کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں:-

الطوس مدینۃ خراسان بیضا طوس خراسان کا ایک شہر ہے، نیشاپور اور اس کے
 دین جیسا کہ سترہ عشرۃ فرسخ مشرق علی دریاں و نسل فرخ کا فاصلہ ہے، یہ دو شہروں
 بلدین یقال لاحداهما الطبران و پرشمل ہے، یعنی طبران اور فوقان، ان دونوں

لاخری فوقان و لہما اکثر من الف تھ کے اندر ہزاروں گاؤں آباد ہیں۔
 یہی مصنف آگے چل کر سعد بن اسلم کے حوالہ سے بیان کرتا ہے کہ طوس، چار شہروں پر مشتمل تھا،
 جن میں دو بڑے اور دو چھوٹے تھے، (Zah Kha) مترجم جم البلدان نے طوس پر جو بحث کی ہے
 اس سے محولہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

سب سے اہم سوال فوقان اور طبران کے جاسے وقوع کی تعیین کا ہے، اس کا یہ خیال ہے کہ
 موجودہ طوس کا قدیم نام طبران تھا، اور یہی خیال قرنِ صحت بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ چہار مقالہ (پروفیسر
 براؤن نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے، اور اس کے متعلق رائے ظاہر کی ہے کہ وہ خارجی معلومات
 کی سب سے زیادہ قدیم اور اہم کتاب ہے) میں مذکور ہے کہ محمود غزنوی نے فردوسی کی جس کی زندگی کے مختصر
 حالات بعد کی مطور میں ملین گے معاوضہ بالجس طبران ار سال کیا، لیکن اس کے پہونچنے سے قبل
 وہ فوت ہو چکا تھا، اس امر کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں کیا گیا، کہ جس مقام کو اب طوس کہتے ہیں وہی
 اس کا مدفن ہے، اس لئے موجودہ طوس قدیم طبران ہے۔

فوقان فی زمانہ بالعموم فوقان کہلاتا ہے، شرق شہدین ایک وسیع رقبہ کو احاطہ کئے ہے، طوس
 کی تفصیل کے پاس سے شہر کا آغاز ہوتا ہے، اور حسین آباد اور ہر آباد تک پھیلتا چلا گیا ہے، وہاں کے
 قبرستان کا بعین خود ساکس نے معائنہ کیا، اور وہ اس کے متعلق لکھتا ہے:-

"گورستان بہت بڑا ہے، اور پتھر کے تابوتوں کی کثرت ہے، اور ان میں سے بعض پر کوئی
 اور Suls خطوطین عبارات کندہ ہیں، بعض کتبائے پڑھے گئے جس سے یہ معلوم ہوا، کہ

۱۰۹۹ھ تا ۱۱۳۵ھ تدفین ہوتی رہی ہے"

ایران میں قبرستانوں کے ساتھ جیسی تغافل شعاری روارکھی جاتی ہے، اس سے یہ توقع نہیں
 کہ اس سے پہلے کے الواح موجود ہوں اور جو کچھ موجود ہیں، ان کا کتبہ صاف نہیں پڑھا جاسکتا ہے

دس برس کا عرصہ ہوا کہ دو پتھر کے خوبصورت حمام زمین سے کھود کر نکالے گئے، اور مشہد کو منتقل کر دیے گئے، فی الجملہ کھنڈروں سے یہ پتہ ملتا ہے کہ نوقان اپنے عروج کے زمانہ میں کوئی معمولی شہر نہ تھا، اس کے قریب ایک دروازہ ہے اور اس سے ٹیچ مشہد کا ایک حصہ اور ان دونوں پر نوقان کا اطلاق ہوتا ہے، اور یہ اس امر پر دال ہے کہ موجودہ طوس قدیم طبران ہے، اس بحث کو میں نے اس لئے طول دیا ہے کہ مستشرقین نے اس مسئلہ پر بہت کم روشنی ڈالی ہے، اور بعض نے تو نہایت غلطی کی ہے، کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ توام شہر (Touam Shahr) باہم بنگلیر تھے، حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین سولہ میل کا فاصلہ ہے، اور دونوں دریا کے دو مختلف سواحل پر واقع تھے طوس کی شہرت کا خاص سبب یہ ہے کہ وہ فردوسی کا مولد و مدفن ہے، چہار مقالہ کے بیان کے مطابق ایران کا رزمیشہ طوس کے ایک گاؤں باز جو طبرستان کی ناحیت میں ہے، ایک باڑی تھا، تھا، لیکن اب اس علاقہ میں کوئی گاؤں اس نام کا نہیں ہے، لیکن مشہد کے جانب شمال تقریباً پندرہ میل پر ایک گاؤں ہے جس کا نام پاڑہ ہے، قدیم دستاویز میں وہ پاڑ لکھا جاتا تھا، اور عربوں کے عہد میں باز کہلاتا تھا، اب پھر وہ پاڑ کہلانے لگا ہے، اور یہ تصور کرنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم گاؤں جو قلات نادری کی گھاٹی کے پاس ہے فارس کے شاعر اکبر کا وطن مالوت تھا، خلاصہ یہ ہے جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے فردوسی نے ربیع صدی کی محنت کے بعد شہر میں شاہناہ کو پایہ تکمیل کو پہنچایا، اور اس کتاب کے ساتھ دربار غزنویں میں حاضر ہوا، فاتح اعظم کی رزمیہ نظم سنکر بہت مخطوط ہوا، اور محلول صلہ دینے کا اس نے ارادہ کیا، لیکن چند متعصب درباریوں کی سناس کے نتیجے میں ایک بہت ہی حقیر رقم اسے پیش کی گئی، اور وہ رقم خشکین شاعر نے ایک حمالی اور نقاشی کے درمیان تقسیم کر دیا، لیکن چونکہ وہ محمود کی سیاست سے بخوبی واقف تھا، اس لئے وہ مفرور ہو کر ہرات پہنچا، اور ایک عرصہ تک وہاں روپوش رہا، یہاں تک کہ جب یہ فساد رنج ہوا تو اس نے طوس

کے سمت ہجرت کی، اس وقت تک محمود کے خوف سے امان نہیں ملی تھی، اس لئے وہ طبرستان چلا گیا جو خاندان ساسانیہ کے سلسلہ کے ایک فرمان روا کے زیر نگین تھا، جہاں اس کی بہت عزت و توقیر کی گئی، اور بظاہر وہ وہاں چند سال تک مقیم رہا، بالآخر وطن پہنچا، اور کبرسنی میں انتقال کیا، اس درمیان میں فردوسی کا مہربانی محمود کا وزیر اس کی دیکھائی کی کوشش کرتا رہا، اور سلطان اپنی غیر دلالت حرکت پر نادم ہوا، اور چھتر ہزار دینار کی قیمت کاخیل شاہی اونٹوں پر بار کر کے معذرت کے ساتھ فردوسی کے پاس روانہ کیا، اور دروازہ دروازہ بار بار شہر درمی شد چہار مقالہ سے منقول ہے، و جازہ فردوسی بدرقہ رزان بیرون ہی بردند، مقبول عام روایت تو یہ ہے کہ اونٹوں کی قطار اور رات کی جلوس شہر میں داخل ہوتے ہوئے اور باہر نکلتے ہوئے دو چار ہوئے تھے،

میں نے فردوسی کے مقبرہ کے سوال کو سب سے اخیر کے لئے رکھ چھوڑا، اس مسئلہ پر اس سے قبل کہ کوئی حتمی رائے ظاہر کی جائے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے اسناد کی طرف توجہ کی جائے، جہاں چہار مقالہ کا بیان ہے کہ فردوسی کے انتقال کے وقت طبران کے اندر ایک متعصب ملا رہتا تھا، جس نے اسے قبرستان میں دفن ہونے نہیں دیا، کیونکہ وہ رافضی تھا، اس لئے وہ بیرون دروازہ رزان جو فردوسی کا مملوکہ باغ تھا، اسی کے اندر دفن کیا گیا، حامد اللہ مصطفوی اور دوسرے متوسلین کی تحریروں سے اس بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے، اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ فردوسی طبران کی فصیل کے باہر مدفون ہوا، لیکن اس کا مقبرہ فصیل کے اندر بتایا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک لایق عامل نے فردوسی کی قبر کے اوپر ایک قبہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، اور اس نیت سے اس نے اسے مدفن کی جگہ کی تلاش شروع کی، اس کے متعلق کسی کو کوئی واقفیت نہ تھی، اس کے دادا کی ایک نرالی صورت ایک سید نے نکالی، اس نے مشہر کیا کہ خواب کے اندر اس نے فردوسی کے مدفن کو دیکھ لیا، جو اور عامل نے اسی ناقابل وثوق سند پر قبہ تعمیر کر دیا، لیکن اتفاق سے قبہ کی تعمیر کے اختتام کے قبل

عالی معقول کر دیا گیا، اور وہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا، رزان دروازہ کے باہر مقبرہ کا کوئی نشان نہیں ملتا ہے، لیکن یہ اثریاتی تحقیقات کجائے تو شاعر اکبر کے ابدی آرام کی جگہ کا پتہ مل سکے۔
اب باقی صرف یہ رہ گیا ہے کہ رودبار اور رزان (بالفتح یا کسرہ) کے جاہاے وقوع کی تعیین کجائے، اول اول یہ کام مشکل نظر آیا، کیونکہ اول الذکر یقینی ایک ایسا دروازہ ہوگا، جس سے غزنین سے آنوالے مسافر شہر کے اندر داخل ہو سکتے ہیں، لیکن اس سمت میں اب کوئی ڈھوڈ باز بلند کے سال کے قریب نہیں ہے، اور یہ علاقہ دریا سے بالکل علیحدہ ہے، مسلسل تحقیقات کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ پہاڑی علاقہ کا شمالی حصہ جو طوس اور نیشاپور کے درمیان ہے، اور جسے اب (KUPAYAH) کہتے ہیں، فردوسی کے عہد میں وہ رودبار کہلاتا تھا، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ایک بہت اہم قصبہ بار کے پاس تھا، جو جابہ غرق سے بہیل شرق میں واقع ہے، رزان دروازہ کے شناخت کرنے میں وقت پیش نہ آئی کیونکہ اب تک اس نام کا ایک گاؤں موجود ہے، جو قصبہ پاز سے بہیل شمال و مشرق اور بہیل شمال و غرب میں واقع ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فردوسی کی مٹی نے سلطانی عطیہ کے لینے سے انکار کر دیا، اور وہ سترہا عالم وایت کے منہ کا رودان سرے، بند اور پل بنانے میں صحن کر دیا گیا۔

طوس کی زمین بہت مردم خیز ثابت ہوئی، اور وہاں بڑے بڑے عالم فاضل اور مہندس پیدا ہوئے، وہ (NESTORIAN) اسقف کا صدر مقام بھی تھا، لیکن ہیرات اور نیشاپور کی طرح وہ بھی غلیہ سیلاب یورش کے درطہ میں گرفتار ہوا، اور اس پر ۶۷۶ء میں چنگیزی حملہ ہوا، اور اس کے بعد قریب ڈیڑھ سو سال تک غارت و بربادی کا شکار ہوتا رہا، آخری حملہ کی وہ تاب نہ لاسکا جبکہ تیمور کے فرزند میران شاہ نے ۸۵۹ء میں طوس پر حملہ آور ہو کر شہر کو تباہ و برباد کر کے ویران کر دیا، بعد ازاں چند باشندے جو قتل عام سے بچ رہے تھے، وہ روضہ کے گرد آباد ہو گئے، اور طوس کی اسی تباہی کے بعد مشہد خراسان کا مرکزی شہر بن گیا۔

طوس کی موجودہ حالت بیان کرنا زبں ضروری ہے، مشد سے آتے ہوئے نصف راہ پر خوشنقا (Khorramshahr) ملتا ہے، اس وسیع قصبہ کی بنیاد خلیفہ ممدی نے ڈالی تھی، اور فریزر اس کا تذکرہ سفرنامہ کے اندر کرتا ہے، اس کے بعد قصبہ ملتا ہے، جس کا تذکرہ آچکا ہے، اور اس کے بعد کشف رود کے اینٹ کا پل ملتا ہے، جسے فردوسی کے نسبت سے فردوسی کہتے ہیں، پل عبور کرنے کے بعد فصیل تقریباً ۱۰۰ فٹ کے فاصلہ پر پہنچتا ہے، وہ تازت آفتاب سے خشک کی ہوئی اینٹوں سے تعمیر ہوا ہے، اور ۳ فٹ تک بلند ہے، بے شمار شہر بنائیں بنی ہوئی ہیں، لیکن شہر متحکم نہ تھا، اور نقشہ (PLAN) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴ پل مربع میل اس کا رقبہ تھا، شہر کے اندر ایک پرانے بچا سے داخل ہوتے ہیں، جس کے متعلق خیال یہ ہے کہ وہ زمانہ قدیم میں رودبار دروازہ کہلاتا ہوگا، شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلی چیز جو نظر آتی ہے، وہ ایک شکستہ حال مزار ہے، جسے متفرق ناموں مثلاً گنبد قزاق یا قصر وغیرہ سے یاد کرتے ہیں، اس کی اندرونی عمارت منہدم ہو چکی ہے، اور یہ ظاہر کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے، جس سے یہ پتہ چلے کہ کس کے جسد خاکی کے اوپر یہ مزار تعمیر ہوا، مشرقی رخ پر (Plaster) کے اندر جایا زندگی چند روزہ ہے (The world in) اور وہ خراب حال اولوح بھی اس کے اندر موجود ہیں، لیکن وہ بظاہر کئی دوسری جگہ سے لا کر یہاں رکھ دیے گئے ہیں، جن کے کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہوش خانم اور سید کے مزار کے قریب ہیں، فریزر ایک منہدم مینار کا بھی تذکرہ کرتا ہے، جو اس کے قریب ہی تھا، اس مینار کا پتہ نہ مل سکا، جانب شمال ایک پگڈنڈی ہے جو قدیم ارک یا قلعہ کے اندر تک چلی گئی ہے، اور ایک مصنوعی حدب پر قائم ہے، یا یہ کہ زمین کے پلنٹھ (Plinth) کو اونچا کر دیا گیا ہے، وہ بیرونی اور اندرونی حصص پر منقسم ہے، اندرونی حصہ کی شکل مستطیل ہے، اور ۶۵ گز درازا اور ۴۵ گز وسیع ہے، قلعہ کے جنوب و مشرق میں

دو ہندم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں جو قیل خانہ کہلاتے ہیں اگرچہ اس کے اس نام کی کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہوتی

خواجہ ریح کا مقبرہ

اس کے بعد طوس کے ایک اہم مقبرہ کا ذکر کرنا ہے جو مقبرہ خواجہ ریح کہلاتا ہے، خواجہ ریح کا مقبرہ کشف رود کی وادی کے جنوبی حدود میں بہان سے گدلا پانی بہنا شروع ہوتا ہے، ایک ضخیم ستون مقام پر شہد سے دیول اندرون ہے، مدینہ مقدسہ سے آتے ہوئے سب سے پہلے ایک تالاب ملتا ہے جس پر یہ روضہ تعمیر کیا گیا ہے، تالاب کے اوپر ایک خوبصورت جنگلی درخت سایہ کئے ہوئے ہے، ام کلثوم خانم عامل وقت کی بہن نے اسے پہلی بار تعمیر کرایا تھا، جیسا کہ حسب قیل کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے:-

در عهد سلیمان شاہ عالی مستدار

خورشید سر بر شرت و عز وجلال

ام کلثوم خانم از مال حلال

دو خواجہ ریح بن خیم از سر صدق

دزد بشر ثواب یوم لا ینفع مال

حوضی از آب زندگی مالا مال

رو این طرفہ بنا تمام بے نقص والی

صریح چون از پیر عقل کرد سوال

لغت بر بزد کن بنوش آب حلال

آغا محمد صادق سجود روضہ سے متعلق آراضی کا ناظم تھا ۱۲۴۲ھ میں تالاب کلان کی مرمت کی، اصل کتبہ کے نیچے قطعہ تاریخ منقوش ہے،

تالاب سے دروازہ تک درختوں کے دور دراز قطار لگانے گئے تھے، لیکن اس قطار سے علاحدہ ایک پکڑنڈی وہ منزل دروازہ تک گئی ہے، جو خستہ ہے، البتہ رنگین اینٹوں کے آثار پائے

جاتے ہیں، دروازہ کے اوپر کے سنگی چوکھٹ پر دو کتبہات کندہ ہیں، بڑے کتبہ میں پر شوکت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ شاہ عباس صفوی نے روضہ ۱۰۳۱ھ میں بنوایا،

”بانی این عمارت رفیع الشان فلک اساس و این بنائے شیع البیان خوش ساس

اعلیٰ حضرت سلطان سلاطین عالم فرمان فرما سلسلہ نبی آدم حافظ بلاد اللہ و ناصر عباد اللہ

خلل اللہ تراب عبیدہ سید المرسلین و کعب آستان امیر المؤمنین مروان مذہب حق اللہ المستوفین

السلطان بن السلطان بن السلطان و الخاقان بن الخاقان شاہ عباس الحسینی الموسوی

الصفوی بتاریخ ہزار و سی و یک ہجری سنی کتبہ بن غلامان دعا گوئی الخ الرضوی الخادم

اتمام یافت

چھوٹا کتبہ جو کہ قریبی زمانہ ۱۲۵۴ھ کا ہے، اس میں تہذیب کی گئی ہے، کہ کوئی شخص روضہ یا اس

درخت کو نقصان پہونچانے کا قصد نہ کرے ورنہ اس پر اللہ کی پھٹکار ہوگی، سواد روضہ میں داخل

ہوتے ہی مقبرہ کی برجیان سپیدار اور ناروند کے درختوں کی قطار کے درمیان نظر آتی ہیں اور

بہار کے موسم میں یہ دلفریب منظر بہت خوش نما معلوم ہوتا ہے، خوبصورت قبہ جو اٹھ گونہ عمارت

کے اوپر خستہ حالی کے سبب گرنے کے قریب ہے، لیکن خوش قسمتی سے خزن کے اوپر یگی زین پر

سنہری حروف میں جو عبارتیں کندہ ہیں وہ جبہ جستہ پڑھ لیجا سکتی ہیں،

قال اللہ تعالیٰ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ.....

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ..... (خزن کے ٹوٹ کر گر جانے کی وجہ

سے عبارت بیان بے ربط ہو جاتی ہے) (سنہری حروف میں) قد اقر لجمع اسراء ہذا مشاہد

عباس الحسینی الموسوی الصفوی..... کتبھا علی الرضا العباسی

بیرونی عمارت غفلت کے سبب شکستہ ہو گئی ہے، تاہم وہ اب تک قابل دید ہے ہر طرف

محراب ہے جس کی تزئین کاشیکاری (Kashikari) اور پچی کاری (Pachikari) کے باریک کام سے کی گئی ہے، مغربی سمت زرد اور یکنی رنگ کے اینٹوں پر دو عجیب بدھیت جانوروں کے سر نمایان کئے گئے ہیں جو نیم ریچھ اور نیم بارہ سنگھ سے مثل معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے یہ ایرانیوں کے خیال کے مطابق اژدہ کی شکل ہو، کیونکہ یہ ان کے لئے نامکن تھا کہ وہ اس کو اونٹ کے ہم شکل تصور کرتے، جیسا کہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں رواج تھا، کیونکہ اونٹ اور اس کے مابین کوئی شباهت نہیں پائی جاتی، کچھ اس سے مثل ہے جو تربت شیخ جام اور قدم گاہ نیشاپور کی تعمیر میں کام آئے تھے، اور یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ایک خزن ساز کے ہاتھوں سے تیار ہوئے تھے جو بقول حافظ (Canadian) کوم (Kum) کے رہنے والے تھے، وہ کسی قدر دور زمین دھلوان ہو گئی ہے، اس زرخیز وادی کا منظر اور اس کے پشت پر وہ جیسا تک درج جس سے محروم قلات نادری کو راستہ جاتا ہے، خراسان کے دلچسپ ترین مناظر میں سے ایک ہیں۔

روضہ کی تفصیلات میں داخل ہونے سے قبل اس ہستی کے حالات جس کا جسد خاکی اس کے نیچے دبا ہوا ہے، بیان کرنا بہتر ہوگا، خواجہ ربیع غنیم ان آٹھ اشخاص کی مشہور صف میں داخل ہیں جنہیں جامعۂ اذہما بیکہ جاتا ہے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفیق تھے، اور امیر المؤمنین کے ایما سے ... م سواروں کے ساتھ دانی مقرر ہو کر شہد تشریف لے گئے، بظاہر ان کا دور عمل کامیاب گذرا، کیونکہ اس کے متعلق بہت کم باتیں تحریر کی گئیں، اور جب انھوں نے وفات پائی تو وہ اسی جگہ پر دفن کئے گئے، جہاں اب روضہ ہے، سال وفات ۶۳ھ ہے، ایک بہت ہی اہم سوال یہ ہے کہ آیا خواجہ ربیع شیعہ تھے یا سنی المذہب، اور کتبہ کے اندر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، مقبول عام روایت یہ ہے کہ وہ سنی تھے، اور قدامت پرست شیعوں کا بھی یہی خیال ہے۔

کیونکہ ایک فوج حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حملہ کرنے کا حکم دیا تو اس پہانے سے کہ مجاہدین تھکے ہوئے تھے، انھوں نے تعمیل حکم سے اغراض کیا، اور اس لئے وہ شیعوں کی نظر سے گری گئے ہیں، اور اسی لئے جو سنی مشہدین انتقال کرنے میں، وہ اسی روضہ کے گرد دفن کئے جاتے ہیں، اور خراسان کے اندر خواجہ ربیع کو وہ اپنا مری دلی (Adron Saman) تسلیم کرتے ہیں۔

روضہ میں داخل ہو کر قبر نظر آتی ہے، جو قبہ کے نیچے وسط مقام پر ہے، سرخ رنگ کی کٹریوں سے چاروں طرف جگہ بنا دیا گیا ہے، اندرونی عمارت کی زینت میں بہت نفاست اور نزاکت سے کام لیا گیا ہے، اور ابھی تک وہ بالکل محفوظ ہے، جگہ کے ہر چار جانب ۸ فٹ اونچے پالان (Pavilion) میں جن پر رنگ برنگ کے کاشیکاری کا کام ہے، جہیں گہرائی، ہلکا بگنی، سنہرا، سپید اور مزوج رنگ آمیزی ہے، خزن کے اوپر تاحفیظ (Guardian) کندہ ہے، گوشہ شہد کے سنگ سیاہ سے بنا ہے، اور اس لئے اس کے بالمقابل جو کنگلی ہے (Caricature) اس کی خوبی نمایان ہو گئی ہے، خزن کے اوپر ستونوں کے کنگل میں صنعت گلکاری ہے، بگنی رنگ کی زمین پر ایک چمکے فیتہ کے مانند خط نسخ میں حسبِ تل کتبہ ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما
عند قال لما نزل قوله تعالى يا ايها الذین آمنوا طيعوا اللہ واطيعوا الرسول واولی الامر منکم ثم قلت یا رسول اللہ قد عرفنا اللہ ورسولہ فمن اولو الامر الذین ترون اللہ طاعتهم بطاعته، فقال صلی اللہ علیہ وآلہٖ ہم خلفای جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نازل ہوا اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے سردار ہو، اس کا حکم مانو، میں نے کہا اے رسول اللہ! ہم نے خدا کو پہچان لیا ہے، اور اس کے رسول کو، لیکن وہ کون سردار ہے، جسے خدا نے فرمان برداری میں اپنے برابر درجہ دیا ہے، تب کہا رسول خدا نے

یا جابر و ائمة المسلمين بعدی ان لهم
 علی بن ابی طالب ثم الحسن ثم الحسین
 ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی المعرف
 فی التورات با باقر و سدر کہ یا
 جابر فاذا نصبت فاقترلا السلامه منی
 ثم سمیت و کنیت حجة الله فی ارضه
 و بقیته فی عباد الله الحسن
 ذالک الذی یغیب عن شیعته و اولیاء
 فلا یثبت فیها علی القول بامامته الا
 من امتحن الله قلبه للایمان قال جابر
 نقلنا کذا یاسر رسول الله فهل شیعته
 انتفاع فی غیبتہ بد، فقال صلی الله علیه
 وآله و الذی یعتق بالنبوة انه لیس فی
 منور لا یتقون بولا یتیم فی غیبتہ
 کانتفاع الناس بالشمس و ان تحملها
 السحاب یا جابر هذا من مکاتیب من الله
 و مخزون علم الله فاکتم الا عن اهلہ
 و قال العاصی فی الخلاصة ربیع
 ابن خنیثم بالخاء المعجمۃ المضمومة
 لے جابر وہ میرے خلفائین اور میرے بعد مسلمان
 کے امام ہوں گے ان میں اول علی بن ابی طالب
 ہیں پھر حسن پھر حسین پھر حسین کے لڑکے علی پھر علی
 کے لڑکے محمد ہیں جبکہ نام توریت میں باقر بتایا گیا ہو
 اور لے جابر تم اسے بہت جلد پا لو گے پھر جب تم
 اسے دیکھ لو تو میرا سلام پہنچا دینا مرا ہمام ہوگا
 وہ دنیا پر خدا کا منظر ہوگا اور وہ اللہ کے بندوں
 کے درمیان اللہ کی شان کا وجود ہوگا جو حسن کا بیٹا
 ہوگا تب کسی کا عقیدہ بھی اس کے غائب ہوجانے
 کے ثبوت میں پختہ نہ رہیگا اور ان کی امامت پر کوئی
 قائم نہ رہیگا الا وہ لوگ جن کے دلوں کو خدا نے
 جانچ لیا ہے جابر نے کہا تو ہم نے کہا لے رسول
 ایسا ہی ہوگا کیا ان کے پیروں کے لئے ان کا روپ
 ہونا منفعت بخش ثابت ہوگا پھر کہا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اس ذات پاک کی قسم کھا
 کہتا ہوں جس نے مجھے اپنا پیامبر مقرر کیا ہے
 کہ وہ پیروکاران کی غیبت میں ان کی روشنی سے
 روشنی پائیں گے اور ان کی دوستی سے منفعت حاصل
 کریں گے، تمیک جس طرح انسان آفتاب سے

و انشاء المنقطعة فوقها ثلاث نقاط قبل الیا
 المنقطعة تحتها نقطتین احد الزهاد و الثانی
 کتبها العبد الدراجی علی الرضا العباسی
 فی سنة ست و عشرين کذا و الف من
 الھجریۃ
 نفع حاصل کرتا ہے اگرچہ آفتاب ابر سے چھپا ہوا
 ہو لے جابر یہ بات خدا فی اسرار اور مخفی خزینہ
 علم الہی ہے اس لئے اسے چھپائے رکھو والا
 یہ کہ اس سے واقع ہونے کے اہل ہوں

علامہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ ربیع بن خنیثم بجائے معجم و تار فوقانی منقطوط بہ
 نقاط ثلاثہ اور اس کے بعد یا پھر معجم آٹھ زہاد میں سے ایک ہیں

اس کو سندہ امیدوار رحمت علی رضا عباسی نے ۲۶ھ میں تحریر کیا ہے

تینوں اعجاز کتبات کے اوپر قبہ اور اندرونی عمارت کے کنگل میں پر نفاست اور خوشنما چکی کا
 کام رسمی وضع میں ہے عمومی اثر اس کا ایک خاص فراوانی کا ہوتا ہے انگریز سیاح فریڈر
 (FRASER) جس نے اس روضہ کی قریب ایک صدی قبل زیارت کی تھی لکھتا ہے "خوش مذاقی
 کے ساتھ قبہ کے اوپر شاندار لاجوردی رنگ کی زمین پر سنہری پھول پتی اور متنوع اقسام کے خیرلی
 تصاویر چڑے ہوئے ہیں"

میں اس سلسلہ کے متعلق لکھ چکا ہوں کہ آیا خواجہ ربیع سنی یا شیعہ تھے؟ روضہ کے اتر طرف ایک
 کتبہ ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام رضا خواجہ ربیع کی توقیر فرماتے تھے کتبہ خط
 (مکملہ) میں ہے

منقول عن الرضا علیہ السلام
 ما حصل من المرو الا ان یاسرہ ربیع
 رضا سے منقول ہے کہ ربیع ابن خنیثم کی زیارت
 کے سوا مرو کے سفر سے کوئی فائدہ نہ
 بن خنیثم ہوا

خواجہ سید کا مقبرہ اگرچہ عربی فن صفت جسکی مثالیں کثرت ماحون (MAHUN) میں پائی جاتی ہیں اس کے بالمقابل کم پایہ پر تاہم بجائے خود اپنے ماحول کے محاط سے اور تاریخی کتب کی بنا پر نہ صرف اس قابل ہے کہ بار بار اس کی زیارت کی جائے، بلکہ وہ خراسان کے دلچسپ و مضامین کی صف اول میں جگہ پاسکتا ہے،

سب سے اخیر میں اس قبر کا تذکرہ کرنا ہے، جو اس موضوع کے اندر ہے، یہ فتح علی خان قاجار ایران کے معزول شدہ خاندان کے مورث کی قبر ہے، قبر پر زرد پتھر کی ایک پر شوکت لوح ہے جس کا قطر چھ فٹ طول ۲ فٹ اور عرض ۲ فٹ ہے، بہت خوبصورتی سے مندرجہ ذیل کتبہ اس پر کندہ کیا گیا ہے،

دیرین انخان الا نشان قدر قدر قضا فرما
اساس عدل را بنیان بنا شرع را بانی
جہان پریشان فتح علی خان آن فلک قدری
کہ ادا زوی شرف قاجار احق بہا بنانی
دور بیا نگیں آن بلند اقبال فرزانہ
کہ بودی درخور شرف تان اگر میکرد در بانی
زمین گشتی میکرو نمازان فلک سوکشتن زان
منووی در وصف ہیجا جو آغاز سر افشانی
عمر و کمالش میدی ز جان فید گردیدی
بجائے در فیم با جوج تم سدی شدی محکم
سہا گرد و دندان طالع چون شمشاد نورانی
ز عالم رفت نالہ در غم او خلق را دائم
بہا لم تیغ ادا آن سد و اسکندر ثانی
شہادت یافت چون آن فوجان کرد کار آخر
فروریزد ز جزع دیدہ ہایا قوت رسانی
سوال سال تا پیش جو کردم از خرد گفت
بہشت جادو دان او شہنشاہین را ظلمانی
مقاش سا طوبی بی پناہش لطف یزدانی

دور این قطعہ چہارہ ہجوم متکرم شیخ بہائی علیہ الرحمۃ کتبہ شدہ است

ایک بنی قطعہ بخط نسخ سے کتبہ مزین ہے یعنی خدا کے لئے بقا ہے اور سب کے فنا ہو کوئی خدا نہیں مالا خدا کے بعد خدا کا رسول ہے علی اللہ کا ولی ہے، اس کے تحت میں اصل کتبہ بزبان فارسی ہے،

قیمت قابل کتابیں

دائرة المعارف حیدر آباد وکن کے لئے

از

مولانا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرة المعارف حیدر آباد

"نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے ذیل کے کمریت نامہ کے ساتھ یہ مضمون ارسال فرمایا ہے اس مضمون کی اشاعت کی غرض مولانا ممدوح کے اس گرامی نامہ سے ظاہر ہوگی۔"

مکرمی،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، دائرة المعارف نے یہ فہرست اس غرض سے میرے پاس بھیجی ہے کہ میں آپ کی خدمت میں بھیج کر یہ تحریک کروں کہ معارف میں شائع کی جائے تاکہ اہل الہیہ علماء اس پر اسے ظاہر فرمائیں کہ کون کون سی کتابیں ان میں قابل اشاعت دائرہ ہیں، اگر ان کتابوں کے سوا اور کتابیں پیش نظر ہوں جو قواعد دائرہ کے مطابق قابل اشاعت ہوں تو ان کا نام یہ وغیرہ بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ ایک نظام العمل مرتب کر لیا جائے، اور اس کے بموجب کتابوں کی تلاش مقابلہ تصحیح وغیرہ کا اہتمام ہو کر طبع ہوں اس نظام العمل کے باہر کتابوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے

مقدمہ فہرست

علمائے اسلام نے علوم و فنون کی تحصیل اور ان کی نشر و اشاعت میں جو کاوش محنت اور

جائفتانی کی ہو، وہ اپنی آپ نظیر ہے، دنیا کی تمام قوموں نے اس انضامیت کو تسلیم کیا ہے، اور عملی طور پر قدر و منزلت کی ہے، گزشتہ چند صدیوں سے ان ہی علوم سے استفادہ کر کے، قومیں سنور رہی ہیں حکومتیں منظم ہو رہی ہیں، اور اصول و قوانین مدون ہو رہے ہیں، آج بھی ایک عالم ان سے مستفید ہو رہا ہے، اور جدید تحقیقات سے ان میں درست معلومات پیدا کر رہا ہے، ابھی حال میں ایک فیسر نے لندن یونیورسٹی میں اس مضمون کا لکچر دیا، کہ بیوگرافی یعنی تراجم کی تعلیم اور اس پر ریسرچ ایک خاص چیز ہے، اس سے علم نفسیات میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے ڈاکٹری کے نصاب میں اس پر پورا زور دینا چاہئے اس نے اس کا بھی ذکر کیا ہے، کہ گزشتہ زمانہ میں اس کو بڑی اہمیت دیکھی تھی، خانہ دار روایات پر بہت کچھ ذہنی ترقی کا دار و مدار تھا،

مغرب کی اس آواز کی قدر اب زیادہ کی جائے، لیکن اس سے پہلے علماء اسلام نے اس فن پر ایسا عظیم الشان کام کیا ہے کہ کسی قوم کے پاس یہ سرمایہ موجود نہیں، کاش اب بھی اپنے جواہرات کی ہم قدر کریں، علماء اسلام کے گران بہا تصانیف کی تلاش اور جستجو جاری ہے، ہر جگہ ریسرچ سوسائٹیاں قائم ہو رہی ہیں، نادرا اور نایاب کتابیں تحقیق اور تدقیق سے شائع کی جا رہی ہیں، تقریباً تین چار صدیوں سے یہ کام برابر ہو رہا ہے، لیکن اب تک علمی خزانے بھرے پڑے ہیں، جنہیں انمول موتیوں کی کمی نہیں ہے، اب بھی ایسے گہرین کہ جن سے قومیں دولتِ سرمدی حاصل کر سکتی ہیں،

جن محرم بزرگوں نے دائرۃ المعارف کی بنا ڈالی، ان کے پیش نظر بھی یہی تھا، کہ علماء اسلام کے ان کارناموں کو جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں، یا صرف کتب خانوں میں محفوظ ہیں، ان کی اشاعت کر کے خود غامدہ اٹھائیں، اور دوسروں کو استفادہ کا موقع دیں، خدا ان بزرگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے، بڑے خلاص کے ساتھ ان دنوں العزم ہستیوں نے اس کام کا آغاز کیا تھا، ان کے خالص خدمات ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج دائرۃ المعارف نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک میں

ایک اہم علمی مجلس شمار کی جا رہی ہے، اللہ عز و جل،

موجودہ وقت میں خوش قسمتی سے دائرۃ المعارف کو ایسے معزز اصحاب کی سرپرستی نصیب ہوئی ہے، جنکی اعانت بہت سے اہم مقاصد کی تکمیل کر سکتی ہے، خصوصاً اس عہد زریں میں جبکہ حضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ نے علوم و فنون کی ترویج اور اشاعت میں ہر قسم کی سہولتیں ہم پہونچائی ہیں، احبابِ علوم اور نشر و تشہیر کی خدمت وسیع پیمانہ پر انجام دیا جاسکتی ہو، لیس ذلت علی اللہ، بعینہ،

گزشتہ رد و داد اور رپورٹوں میں یہ سلسلہ امر ہے کہ دائرۃ المعارف میں آٹھویں صدی تک کی وہ کتابیں طبع و شائع کی جائیں جو فنی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت رکھتی ہوں، اس اصول موضوعہ کی پابندی ہمارے لئے ضروری ہے، اس وقت تک جب تک کہ آٹھویں صدی کے تصانیف کا سلسلہ ختم نہ ہو، ہم کو اپنے دائرہ کے مرکز سے ہٹانا چاہئے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، کہ آٹھویں صدی کے بعد بعض ایسی اہم کتابیں ملین گی، جو ہر حیثیت سے مفید ہوں گی، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دوسری تیسری، چوتھی صدی کی نایاب کتابوں کو ہم ضائع ہونے کا موقعہ دیں، اگر ہماری بے اتفاقی سے نایاب چیزیں ضائع اور برباد ہو گئیں، تو کیا اس علمی تباہی میں ہمارا ہاتھ بھی معاون ہو گا؟ سناؤ! آج بھی کتب خانوں میں ایسے نوادر موجود ہیں کہ جنکو دیکھنے سے حیرت و استعجاب کی حد نہیں ہوتی ہے، اور دوسری قومیں ان نوادر کو محفوظ رکھنا اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھتی ہیں، کاش ہماری مجلس ان کی اشاعت میں حصہ لیتی تو ایک بڑا اور اہم علمی کام انجام پاتا،

ابھو مد خوش قسمتی سے دائرۃ المعارف کے لئے بعض قلمی کتابوں کی تلاش کے سلسلہ میں مجھے کئی بار حسب ذیل کتب خانوں کے دیکھنے کا موقع ملا، ان سفروں میں بعض قلمی نوادر کی زیارت کا بھی فخر حاصل ہوا،

(۱) کتب خانہ ریاست رام پور (۲) پٹنہ لائبریری،

(۳) کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۴) کتب خانہ مولانا ناصر حسین صاحب لکھنؤ

(۵) فرنگی محل (۶) حبیبہ حبیب گنج علی گڑھ

(۷) سلم یونیورسٹی علی گڑھ (۸) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

(۹) مدرسہ عالیہ کلکتہ (۱۰) دارالمنصفین عظیم گڑھ

(۱۱) اصفیہ حیدر آباد (۱۲) ریاست سلیم پور

زیر ترتیب فہرست میں ان کتب خانوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب خانوں کی فہرست اور کیٹلاگ

سے اور نیز بعض مشہور علماء اور مستشرقین کے خطوط سے اقتباس کیا گیا ہے۔

(۱) فہرست کتب خانہ خدیویہ جدید و قدیم (۲) فہرست کتب خانہ اصفیہ حیدر آباد

(۳) کیٹلاگ اٹل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ (۴) کیٹلاگ مدرسہ عالیہ کلکتہ

(۵) رسالہ معارف عظیم گڑھ (۶) کیٹلاگ پٹنہ لاہوری

(۷) مجمع المطبوعات (۸) اکف القنوع

(۹) فہرست کتب خانہ جامع مسجد ممبئی (۱۰) مکتوبات مسٹر کر نکو المانی

(۱۱) مکتوبات شاہ احسان اللہ صاحب سندھی (۱۲) مضامین مولانا سید سلیمان ندوی

(۱۳) مخطوطات موصول (۱۴) مکتوبات مولانا محمود حسن صاحب مصنف مجمع المصنفین

ان نوادر کی پوری فہرست کی ترتیب ایک بڑا کام ہے جس کے لئے وقت و فرصت اور کسی بڑے

سرمایہ کی ضرورت ہے لیکن ناہم ہر فن کے محاط سے چند کتابیں منتخب کی گئی ہیں جو در حقیقت اہمات کتب

کے لقب سے یاد کیجا سکتی ہیں

فن تفسیر تفسیر قرطبی تفسیر ثعلبی اور تفسیر تھامی وغیرہ خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں

ان کے نادر نسخے کتب خانوں میں محفوظ ہیں

فن حدیث

متون حدیث کی اشاعت ہمارے پیش نظر ہے چنانچہ مستدرک و تہذیب

اسی کا خط سے منتخب کی گئی ہیں اور آئندہ کے لئے مستدرک ابی نعیم، مست

ابی عوانہ مصنف عبد الرزاق وغیرہ کا انتخاب مناسب ہو گا حدیث

کی پہلی تصنیف کتاب الترمذی و الرقائق للامام عبد اللہ بن مبارک المتوفی

۳۸۱ھ کے ایک نادر نسخہ کا پتہ چلا ہے جو ۳۲۵ھ کا لکھا ہوا جامع قرویین

میں ہے، غریب الحدیث لابی عبید قاسم بن سلام اللغوی المتوفی ۳۲۵ھ

(۴۰) سال کی محض یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اس کا ایک نسخہ کتب خانہ

راہپور میں ہے

اصول حدیث

مقدمین کی اس موضوع پر بہت کچھ کتابیں شائع ہوئیں سب سے اہم

تصنیف تعرفہ معلوم الحدیث حاکم کی ہے جس کے نسخے ہندوستان میں

کئی جگہ موجود ہیں

فہرست

فقہ حنفی کے اصول کی اشاعت ہمارے پیش نظر ہے تاکہ اس فن کی

اہم ترین کتابیں شائع ہو سکیں شرح البجامع الصدراشمید کا ایک

نادر نسخہ کتب خانہ اصفیہ میں ہے جو آٹھویں صدی کا لکھا ہوا ہے اور اس پر

فقہار کے حواشی ہیں

کلام

التقریب والارشاد کلام میں ایک مبسوط کتاب ہے کتب خانہ اصفیہ میں

بخط مصنف اس کا نسخہ ۳۵۵ھ کا مکتوبہ موجود ہے

نہایت المرام فی درایۃ الکلام لعمرو بن الحسین الطبری کا نادر نسخہ

کتب خانہ اصفیہ میں ۳۵۵ھ کا مکتوبہ جس پر مصنف کی اجازت ہو موجود ہے

رجال

اس فن پر جو کتابیں اب تک دائرۃ المعارف سے یا دوسری جگہ سے شایع ہوئی ہیں، وہ زیادہ تر متاخرین کی ہیں، متقدمین کے تصانیف کی اشاعت سے حدیث کو بڑی تقویت پہونچے گی، ثقات ابن جبان، الاحکام لابن مالک، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں،

طبقات

طبقات خاں بلہ میں کوئی کتاب اب تک شایع نہیں ہوئی ہے، ابن حبت اور ابی یعلیٰ موصلی کے طبقات کے نسخے پٹنہ لائبریری میں قدیم مخط موجود ہیں،

تاریخ

تاریخ کبیر بخاری جو بالکل نایاب ہے، اس کا ایک جز کتب خانہ صفیہ میں موجود ہے، تاریخ ابن خلیثمہ المتوفی ۲۹۹ھ جو طبری سے مقدم ہے، اس کا ایک نادر نسخہ جامع الفوائد میں ہے، البدایہ والنہایہ لابن کثیر، بحری، اس کے نسخے بھی نادر الوجود ہیں،

لغت

انتیۃ الافعال والاسماء والمصادر لابن القطار جو اس موضوع پر ابن قوطیہ کے بعد دوسری کتاب ہے، اس کا نادر نسخہ راہبوت میں ہے،

اصلاح المنطق لابن السکیت کا ایک نادر نسخہ ۵۹۵ھ کا مکتوبہ کتب خانہ صفیہ میں موجود ہے، طبقات الشعراء میں ذمۃ القصر اور ادب میں المستجاد مخصوص کتابیں ہیں،

ادب

ہیئت اور ریاضی اور کیمیا کے رسائل بھی قابل قدر ہیں، یہ فہرست حسب الحکم عالی جناب محمد صاحب دائرۃ المعارف مرتب کی گئی ہے، اور مصححین

دائرۃ المعارف کے سامنے بغرض مشورہ پیش کی گئی ہے، مولوی سید ذین العابدین میر شعیبہ ادیب دائرۃ المعارف بھی اس کی ترتیب میں شریک کار رہے،

میں جناب محمد صاحب دائرۃ المعارف و دیگر معزز ارکان مجلس کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس کی ترتیب کا بھجے موقع مرحمت فرمایا، وما توفیقی الا باللہ،

(باقی)

ارض القرآن

حصہ اول

عرب کا قدیم جغرافیہ، عادیثود، سبأ، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب اخیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی، لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، طبع دوم ضخامت ۳۲۴ صفحے، قیمت ۳۰ روپے،

ارض القرآن

حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہے، ان میں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم الیوب، بنو اسماعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت ۳۰ روپے، طبع دوم، "پینجر"

مسلمان جغرافیہ دان

از

جناب پروفیسر اردون خان صاحب شردانی بنگالیہ یونیورسٹی

بلسلہ گزشتہ

مشہور معروف جغرافیہ دان، ادیبی، اور ابوالفدا

مسلمان جغرافیہ دانوں کی بابت یورپیوں نے جو تحقیقات کی ہے، وہ مفصلہ ذیل حاشیہ سے

ظاہر ہوگی۔

موسیو گوئی (Goeje) نے لندن سے جو سلسلہ جغرافیہ دانان عرب (Bibliotheca)

Reca Geographorum Arabiorum، شائع کیا ہے، اس میں مفصلہ ذیل مصنفوں کی کتابیں

اصل عربی میں شامل ہیں۔

جلد ۱: مشہور اصفہانی، جلد ۲: ابن حوقل، جلد ۳: مقدسی، جلد ۴: اشاریہ لغات وصحت نامہ

جلد ۵: ابن الفقیہ الحمادانی، جلد ۶: ابن خردادبہ، جلد ۷: یعقوبی، جلد ۸: کتاب التبتیہ (مسعودی)

و کچھ سفرناموں میں مفصلہ ذیل شمار کرنے چاہئیں۔

(۱) سفرنامہ ابن فضلان جو ۱۰۳۱ء (دسویں صدی عیسوی) میں خلیفہ المقتدر کے سفیر کے ساتھ

نہاہ بلخاریہ کے دربار میں گیا، اس نے اس زمانے کے روسیوں کے رسم و رواج پر اپنے خیالات کا اظہار

کیا ہے، (۲) سفرنامہ ابودلف، یہ بھی سفر کے ساتھ جو بخارا سے واپس جا رہے تھے، چین گیا، اور وہاں

کے حالات لکھے، فرین (۳) (۱۰۸۷ء) قدیم زمانے کے روسیوں کے متعلق ابن فضلان

دیگر عربوں کے خیالات (۴) (Berichte ueber die Russen

aelterer Zeit) اصل و ترجمہ بہت پیر سرگ ۱۸۲۳ء، المروسی

بھی جو موصول کا ایک راہب تھا، اور جس نے ۱۱۷۱ء میں وفات پائی، اس زمانے کی عمارتوں اور

کھنڈروں کے بارے میں اپنی ایک تالیف چھوڑی ہے، ان کے علاوہ البلاوی جو چودھویں صدی

عیسوی میں قنطوریہ کا قاضی تھا، اور محی الدین البکری جس نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں اپنا

سفرنامہ لکھا ہے، قابل ذکر ہیں،

چارلس شیفر "مسلمانوں کے تعلقات چینوں کے ساتھ از ابتدا تا ۱۸۵۰ء" (Ch. Scheffer)

Notices sur les relations des peuples musul-

mans avec les chinois, depuis l'extension

de l'Islamisme jusqu'à la fin du quinzieme

siècle، مدرسہ السنہ مشرقیہ (پیرس) کے سودین سالگرہ کے موقع پر جو مجموعہ مضامین شائع ہوا تھا، یہ

مضمون اس میں شامل ہے)

ابو عبد اللہ محمد الادریسی | یہ ممکن ہے کہ ادیبی عرب جغرافیہ دانوں میں سب سے بڑا جغرافیہ دان نہ ہو،

اس لئے کہ اس کی معلومات میں نہ اتنی قطعیت پائی جاتی ہے نہ اس قدر تعین، لیکن یورپ میں علماء و

مستشرق اس کے نام سے عرصہ دراز سے واقف چلے آتے ہیں، اور جب ارباب علم و فضل میں جغرافیہ مشرق

کا ذکر ہوتا ہے، تو ابوالفدا کے نام کے ساتھ خواہ مخواہ ادیبی کا نام بھی زبان پر آتا ہے، اس کی کتاب

کی اہمیت میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا، اور رینو (Reinaud) کہتا ہے کہ "استرابو کی طرح

وہ ہر آئین ایک ایسی یادگار کے مماثل ہے، جو جغرافیہ کے اعزاز میں قائم ہوئی ہو، اس کا ایک شخص

سلا رینو: تمہید، مخطوطات وغیرہ،

شاید قیوم زمانے میں شائع ہوا تھا، زان بعد دو مار وینون یعنی حیرل سیونیا اور یوحنا ہسروینیا نے جو دربار شاہی میں عربی اور سریانی زبانوں کے ترجمان تھے (۱۶۱۹ء میں) اس کا ترجمہ شائع کیا جس کا لاطینی نام جغرافیہ نوہ *Geographica nobienensis* ہے، لیکن ترجموں نے اپنے ترجموں کے سرورق پر کہیں اصل مصنف کا نام نہیں لکھا، حال میں ژویر (Jouy) نے ادریسی کا فرانسیسی زبان میں مکمل ترجمہ کر دیا ہے، لیکن اس میں بھی بہت کچھ ترمیم کی گنجائش ہے، ادریسی جس کے نام کے ساتھ عرب مصنف "شریف" کا معزز لقب مستزاد کرتے ہیں، علوی خاندان اور یس کا ایک کن تھا، اور یہ وہی خاندان ہے، جس سے سلاطین مراکش متعلق ہیں، وہ شہر سبتہ میں مشرق میں پیدا ہوا جہاں اس کے اعزاء و اقارب جا کر آباد ہو گئے تھے، یہاں سے اس نے قرطبہ جا کر تعلیم حاصل کی اور اپنی نو عمری ہی کے زمانے میں مختلف اطراف میں سفر کیا، وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ اشبونہ گیا اور اندلس مراکش اور قسطنطنیہ کی کالون کی سیر کی، اور گوفرائس و انگلستان کے مذکورے میں اس نے غلطیاں کی ہیں لیکن وہ لکھتا ہے کہ ان دونوں ملکوں کے ساحلوں تک بھی گیا تھا، ابو الفدا نے اس کا ایک اقتباس دیا ہے جو مفضلا ذیل ہے، "میں نے خود اپنی آنکھوں سے بحر خلیات میں یعنی بحر الخیط کے اس حصے میں جو ہسپانیہ و برطانیہ کے مغرب میں واقع ہو، مد و جزر کی کیفیت دیکھی ہے، مد کا وقت تو دن کے تیسرے گھنٹے سے نوین گھنٹے تک ہے، اور چھٹے گھنٹے سے مغرب تک پانی گھٹتا رہتا ہو، پھر وہ چھ گھنٹے تک چڑھتا ہے، اور اس کے بعد پھر گر جاتا ہے،

لے ژویر کا ترجمہ جن جغرافیہ پیرس کے شائع کردہ سلسلے کی جلد دوم میں شامل ہے، ادریسی کے موضوع پر دہری تصانیف کے لئے دیکھو بروکل مان تالیف ادبیات عرب BROCKELMANN: GESCHDEYAH

آئی ہیں، ان تاریخوں کی راتوں میں پانی معمول سے کہیں زیادہ بڑھتا ہے، اور ساحل کے ان ان مقامات پر پہنچ جاتا ہو، جہاں علی العموم اس کا پہنچنا محال ہوتا ہے، یہ سب ممالک مغرب کے باشندوں کی آنکھوں کے سامنے ہوا کرتا ہے، اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی منطق گنجائش نہیں ہے، اور مشرق میں ادریسی مشرق میں ایشیائے کوچک تک گیا،

ادریسی نے روجرد دوم شاہ سلی کے دربار میں بھی کچھ زمانہ بسر کیا، اور ہم اسے مشرق میں بین پاتے ہیں، اس کا سوانح نگار الصفدی کہتا ہے کہ روجر کو فلسفیانہ مباحث سے بہت دلچسپی تھی چنانچہ اس نے ادریسی کو افریقیہ سے طلب کر کے اس سے کہا کہ کوئی ایسی چیز بناؤ جس سے زمین کی اصلی حالت کا اندازہ ہو جائے، اس پر ادریسی نے چاندی کا ایک ٹکڑا طلب کیا چنانچہ بادشاہ نے فوراً چار لاکھ درہم وزن چاندی اس کے حوالہ کر دی، اس نے اس چاندی پر ایک کے اوپر دوسرے متحد و دوڑا بنائے جن سے مراد کرہ جات افلاک سے تھی، اور ایک دوسرا مدور ٹکڑا لیا، جس سے ہماری زمین مراد تھی، ادریسی کے کہنے کے مطابق روجر نے ایک عظیم الجثہ کرہ ڈھلویا، جو ساڑھے چار سو روپے پونڈ کا تھا جس کا ہر پونڈ ۱۲ درہم کا مساوی تھا جب یہ ڈھل چکا تو اس بادشاہ کو خیال آیا کہ کوئی کتاب ایسی ہونی چاہئے جس میں روئے زمین کا مفصل ذکر ہو، اور جس کے ذریعہ سے اس کرہ کی ہیئت کذائی کو سمجھایا جاسکے، شریف ادریسی کہتا ہے کہ اس نے اس مقصد کے لئے مختلف اطراف عالم میں اپنے نمائندے بھیجے تاکہ وہ ان ممالک کے جغرافیہ پر یادداشتیں مرتب کریں، اور جو جو چیزیں انھیں قابلِ محاظ معلوم ہوں، ان کا بیان سپردِ قریطاس کر لیں، جب یہ سب مواد حاصل ہو گیا تو ادریسی نے اسے جمع کر لیا، اور اپنی مشہور آفاق کتاب "نہضۃ المشتاق" تالیف کی، اور ساتھ ہی اسے روجری کا دیکر گویا شاہ سلی کے نام پر مسمون کر دیا، اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جزیرہ سلی کے بند گاہوں میں ہمیشہ جہاز آتے جاتے رہتے تھے، چنانچہ وہ مسافروں، حاجیوں، اور دوسرے لوگوں سے بھی ہمیشہ

جغرافیہ اداریہ کی کتاب کی طرح ایک اول درجہ کی تصنیف نہیں ہو، اور ہمارے نزدیک ^{سطح} من یوہا ہی ایک کتاب بھی دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکا، ابوالفدا خاص طور پر ملک شام اور اس کے قریب کے ممالک کے بیان کی بابت اول درجہ کی سند ہے، باقی حصوں کے لئے وہ اپنے سے پہلے جغرافیہ دانوں بالخصوص اداریہ ابن حوقل اور ^{مطرحی} کا اتباع کرتا ہے، اور ساتھ ہی ابن کی کتاب اور البیرونی کے قانون مسعودی سے کام نکالتے ہوئے، فی الجملہ بطلیموس کے قدم پر قدم چلتا ہے۔

الفاروق

از

علامہ شبلی نعمانی

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت، عراق و شام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ نسخ شدہ صورت میں معمولی گنا پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کر لیا، جو حرف بحرف نامی پریس کان پور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطالعہ ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے۔

قیمت للعمدہ

”نمبر“

مختلف قسم کی معلومات حاصل کرتا رہا تھا، نیز چونکہ وہ ایک عیسائی بادشاہ کا درباری تھا اس لئے اسے اعلیٰ، فرانس، البیریہ اور جرمانہ کے متعلق وہ باتیں معلوم تھیں جنکا اس سے پہلے کے عرب جغرافیہ دان کو پتہ بھی نہیں تھا، اور اس نے جربرہ نامے اسکان ڈی نیویامک کے بابت لکھا ہے، جس کی نسبت قدما کو بعض دھندلا سا علم تھا، گو وہ اندرون بر اعظم افریقہ کی بابت بھی وہ بہت کچھ جانتا تھا، لیکن ایک قدیم مغالطے میں پڑ جانے کو باعث وہ اس بر اعظم کو خط استوا کے جنوب میں اتنا بڑھا دیتا ہے کہ وہ بحر مندر جنوبی کو تقریباً کل گھیر کر گویا ایک دوسرا بحر المحيط بنا دیتا ہے، کتاب نثر بہتہ المشتاق کے ساتھ بہت سے نقشے بھی تھے، لیکن ان میں غلطیاں بھری ہوئی تھیں۔

ابوالفدا اور جغرافیہ کا نام ”مجم البلدان“ ہے، اور اداریہ کے ”ترجمہ“ کی طرح اس سے بھی مدت مدید سے یورپ والے واقف ہیں، چنانچہ رینو کہتا ہے کہ ۱۷ ویں صدی کے نصف ابتدائی میں شیکاؤ نے اس کا ترجمہ کیا تھا، جو شائع نہیں ہوا، چند سال بعد یعنی ۱۷۵۰ء میں گراویوس نے خوارزم، اور ماوراء النہر کی بابت اس کتاب کے چند اقتباسات لندن میں شائع کئے، ادھر لیڈن میں راکر کے نے ۱۷۵۰ء میں اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں کر کے بوٹنگ نامی ناشر کے ذریعہ سے شائع کر لیا، اور ۱۷۵۰ء میں آٹو میخائلس نے مصر کے بابت حصوں کا اسی زبان میں ترجمہ کر کے گیونگن میں ۱۷۵۶ء میں شائع کیا، ۱۷۵۸ء میں آج ہورن نے افریقہ کے جغرافیہ کا ترجمہ کر کے گیونگن ہی سے اس کی اشاعت کرائی، اور ۱۷۵۸ء میں مغرب کے حصص کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کر کے اسے البحر الزمینیہ طبع کر لیا، آخر کار اس کی مکمل اشاعت اور اس کا نصف ترجمہ رینو اور دوسلین نے کیا جو ۱۷۵۸ء میں پیرس میں طبع ہوا، باقی جو حصے رہ گئے تھے، ان کا ترجمہ گیویارڈ نے ۱۷۵۸ء میں مکمل کر دیا، انی اس توجہ سے جو تین سو سال سے یورپ والے اس کتاب کی طرف کر رہے ہیں، اسکی نوعیت معلوم ہوتی ہے، رینو کہتا ہے کہ محض بعض نقادانہ خیالات کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابوالفدا کا

۲۱۳

ابوریحان بیرونی کی ایک نئی کتاب

۱

مولانا سید ابوظفر ندوی سابق مدرس عربی و فارسی، امروہ اور بابل احمد آباد،

گو ابھی تک علامہ ابوریحان بیرونی کی صرف دو ہی کتابیں کتاب المند اور آثار باقیہ، پروفیسر خاں کو بہت سے چھپکر شائع ہوئی ہیں، مگر قانون مسعودی، فہم اور اس کے دوسرے رسائل کتب خانوں میں ملتے ہیں، تاہم اس نے خود اپنی تصنیفات کی جو لمبی فہرست دی ہے، اس میں سے آج بہت سی کتابیں باقی ہیں اور شاید اس کی یہ فہرست بھی مکمل نہیں اور عجیب نہیں کہ اس فہرست کی تحریر کے بعد اس نے کچھ اور کتابیں تالیف کی ہوں، کیونکہ ہم آج اس کی ایک ایسی کتاب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کا نام اس فہرست میں نظر نہیں آتا، لیکن اندرونی اور بیرونی دونوں شہادتیں اس کی ملتی ہیں کہ یہ بیرونی کی تصنیف ہے۔

یہ ایک ہندی زبان کا دستاروں کی جدولین کا عربی ترجمہ ہے، اس ہندی زبان کے مصنف کا نام بچا چند، اور اس کے باپ کا نام جہا مت تھا، بنارس کا رہنے والا تھا، اس کی اس زبان کا نام کرن ملک ہے، جس کا عربی ترجمہ غزۃ الازلیج (ذریچون کی کرن باروشنی) ہے، بیرونی نے سنسکرت سے عربی میں اس کا ترجمہ کیا، یہ ستر صفحوں کا مختصر رسالہ ہے، آخر کے کچھ صفحے کم ہیں،

یہ قلمی نسخہ ابھی حال میں کتب خانہ شاہ پیر محمد صاحب احمد آباد میں خرید کر داخل کیا گیا ہے، اور میں یہیری نظرت گذرا اس کی ابتدائی مطبعہ میں اس کتاب کا پورا حال ہے حسب ذیل ہیں،

نہیج یجیاند الباناسی الذی ستھا یجیاند بناری کی زبان جس کا نام اس نے کرن ملک

کرن ملک ومعنا غزۃ الازلیج قال
الاستاذ ابو الریحان محمد بن احمد البیرونی
کنت وجدت عند المند بن یحیا مختصراً
صغیراً علمہ یحیا مند بن جہا مند وهو
احد المفسمین ببلد الباناسی ملحقاً
عند ہمد بالقطیم من جهة الخلعة
وسمى غزۃ الازلیج، رکھا تھا،

رکھا تھا، اس کے معنی ذریچون کی کرن یعنی شعاع ہوا تھا
ابوریحان محمد بن احمد بیرونی نے کہا، کہ میں نے ہندوؤں
کے پاس ایک چھوٹی سی مختصر زبان دیکھی، جس کو جہا
کے بیٹے یحیا مند نے بنایا تھا، اور وہ بنارس میں جہا
مندی مقدس شہر ہے، اس علم کے شارحوں میں سے
ایک تھا، اور اس کا نام اس نے ذریچون کی کرن
رکھا تھا،

اس عبارت میں کتاب اور مصنف کے ناموں کے ساتھ مترجم کا نام بھی ابوریحان بیرونی مذکور ہے
اور یہ کہ ہندوستان کی سیاحت کے زمانہ میں جو پانچویں صدی ہجری کے شروع میں سلطان محمود غزنوی
کے عہد میں اس نے کی تھی، یہ کتاب پانی،
اس کتاب کے دوسرے صفحہ میں ایک اور عبارت ہے، جس سے اس کے اسی عہد میں تالیف پانے
کی اندرونی شہادت ملتی ہے، وہ عبارت یہ ہے۔

وقتل ذلک یوم مشہد و لیکن یوم
التقاء السلطان محمود مع الخان یوسف
سرمہما اللہ وکان علی ثلاث لیسر قند
بین العسکرین یوم الخميس،

اور ایک ایسے دن میں جہاں بہت لوگ تھے یہ قتل ہوا اور
وہ دن تھا جہاں سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ یوسف خان
سے مقابلہ کر دین تین دن کے راستہ پر یاتین منزل پر حیرت
کے دن دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا،

یوسف خان سے مراد غالباً قدر خان یوسف بن بغرا خان ہارون والی ترکستان اور سلطان محمود
غزنوی کے درمیان کئی لڑائیاں پیش آئیں، سلطان محمود نے سیکھ میں اور قدر خان یوسف نے سیکھ
میں وفات پائی، اور چونکہ بیرونی نے ان دونوں کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ لکھے ہیں، اس لیے یہ

پڑیگا اس نے یہ کتاب اس کے بعد لکھی ہے اور خود اس کی وفات تک لکھی ہوئی ہے۔

اس کتاب کے چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں:-

۱۔ استخراج وسط الشمس،

۲۔ استخراج اوج القمر،

۳۔ استخراج وسط الراس و تقویمہ،

۴۔ معرفۃ تحقیق وسط الراس،

۵۔ معرفۃ تصحیح الاوسط فی البلدان،

۶۔ استخراج قوس الجیب،

۷۔ معرفۃ استخراج وسط المریخ،

۸۔ معرفۃ استخراج تبدیل الخاصہ،

۹۔ معرفۃ مقایر الکواکب،

۱۰۔ معرفۃ ماضی من القمر،

اس نسخہ کے آخری صفحہ کا عنوان معرفۃ سبتبات و بیدہرث ہے، یہ دونوں سنسکرت کی

اصطلاحیں معلوم ہوتی ہیں، اس کے بعد کتاب ناقص ہے،

اگر کسی صاحب کو اس کتاب کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہو، یا اس کے کسی کمال نسخہ کا پتہ ہو

تو معارف کے ذریعہ مطلع فرمائیں،

تاج الدین

میں ہر جہد و عربی الفاظ کی دیکھنی یعنی لغت، قیمت پیر "نیچر"

مثنوی خوب رنگ کے مصنف

شاہ خوب رنگ کے کچھ مزید حالات

از قاضی نور الدین صاحب قاضی بھڑ

میں نے آنجناب کو بمبئی خطوط کئے تھے جن میں حضرت شاہ خوب رنگ صاحب قدس سرہ کے جو حالات مجھے معلوم تھے وہ عرض کئے تھے، بعد ازاں بندہ نے حضرت شاہ خوب رنگ صاحب کے متعلق ان کے خاندان کے موجودہ سجادہ نشین قاضی سید محمود میان ولد خوب میان صاحب سے مزید حالات دریافت کئے تھے جس کا جواب ان کی طرف سے گذشتہ ماہ ۲۹ مئی ۱۳۳۷ء کو تحریر کیا ہوا بندہ کو ملا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں دہلی سے حسن خان نامی صوبہ دار گجرات میں مقرر ہوئے تھے (قابلا دینی خان ۱۳۳۷ء سے ۱۳۳۹ء) جن کو فرحت الملک کا خطاب دیا گیا تھا، اس صوبہ دار نے فرحت الملک نامی مسجد تیار کی تھی جس کو فی الحال شاہ خوب کی مسجد کہتے ہیں، یہ مسجد احمد آباد میں تین دروازہ کے باہر کارنجیہ کے قریب راستہ پر ہے، چونکہ یہ مسجد خاص بازار کے قریب واقع ہے، اس لئے اس کو خاص بازار کی مسجد بھی کہتے ہیں، قاضی محمود میان مذکور بعد میں تحریر کرتے ہیں کہ ان کے جد بزرگ حضرت شاہ خوب رنگ صاحب کو گجرات کے صوبہ دار نور الدین خان کے زمانہ میں فرحت الملک والی مسجد کی خطابت اور امامت کا منصب ملا تھا، اسی زمانہ میں انھوں نے خوب رنگ اور دیگر تصنیفات کیں، ان کا انتقال یہیں احمد آباد میں ہوا، اور یہیں (اسی مسجد میں) مدفون کئے گئے، اور عرس بھی ہر سال شعبان کی ۱۵ تاریخ کو ہوا کرتا ہے، ان کے خاندان میں اسی مسجد کی خطابت اور امامت ابھی تک چلی آتی ہے، اس خط کی تحریر سے جناب کو روشن ہو گا کہ حضرت شاہ خوب رنگ صاحب کا انتقال احمد آباد میں ہوا ہے، اگر جناب کو مزید حالات معلوم کرنے ہوں تو قاضی صاحب کو رس خط و کتابت کریں، وہ تحریر کرتے ہیں کہ بہت سی کتابیں ان کے ہاں سے گم ہو گئی ہیں،

تَلْخِصٌ مِّنْ تَجْوِذِکَ

قیامت کا اعتراس کی بان

ناظرین معارف نے قیامت کا نقشہ یعنی عالم مادی کے انجام، زمین و آسمان کی تباہی اور مخلوق ارضی کی بربادی اور فنا کی داستانِ حقیقت پر مغربوں کی تعلیمات، صحف سماوی کے اوراق اور علماء و عظیمین کی بانوں سے بار بار دیکھی اور سنی ہوگی، لیکن شاید سائنس کی زبان سے اس کے اعتراف کا گمان بھی کسی کے دل میں نہ گذرا ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ سائنس جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے، اسی قدر مذہب کے پُر اسرار چہرہ سے نقاب ہٹتی جاتی ہے، اور اس کا جمال نمایاں ہوتا جاتا ہے، آج ہم علمائے سائنس کی زبان سے قیامت کا اعتراف سناتے ہیں، اور ان کا گھینچا ہوا نقشہ قیامت دکھاتے ہیں، امید ہے کہ آج کل کے مدعیانِ فضل و کمال، اور ان کے پیرو اس تذکرہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

سائنس کا یہ ایک مسئلہ مسئلہ ہے، کہ ساری کائنات میں کون و فساد کا سلسلہ جاری ہے، اور ہر وہ دنیا و جرم جو پیدا ہوتی ہے، اپنی نگین اور پیدائش کے بعد نشو و ارتقاء کے تدریجی مراحل طے کرتی اور مختلف دوروں سے گذرتی ہوئی جب اوجِ کمال تک پہنچ جاتی ہے، تو پھر اس پر ضعف و انحلال کے آثار طاری ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوتے ہوئے بالآخر فنا ہو جاتی ہے، اسکی فنا کے ساتھ اس کے متعلقہ نباتات و جمادات بھی فنا ہو جاتے ہیں، لیکن نگین نشو و ارتقاء اور زوال و فنا کا یہ عمل معمولی مدت میں نہیں، بلکہ لاکھوں اور کروڑوں قرن میں جا کر پورا ہوتا ہے، بلکہ اس کے ہر ہر دور میں اتنا طویل زمانہ لگتا ہے کہ عقلِ بشری اس کا استدراک نہیں کر سکتی، اور جب کائناتِ عالم کا کوئی جرم ذرہ کمال

تک پہنچ کر انحطاط کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اس کے عناصرِ حیات اس جرم کو چھوڑ کر دوسرے جرم میں منتقل ہو جاتے ہیں، اس نئے وطن میں اُس کے بعد پھر اس کی فطرت اور اس کے قوانینِ طبیعت کے مطابق نئے سرے سے ان میں نشو و نما شروع ہوتا ہے، اور چونکہ اس جرم کے قوانین ارتقاء و ترقی جرم کے قوانین سے مختلف ہوتے ہیں اسی لئے گزشتہ زندگی کے مقابلہ میں اس نئی زندگی میں عناصرِ حیات کی شکل و صورت وضع و قطع اور خواص و وظائف سب بدل جاتے ہیں، اور ان میں نئے عوامل اور مقتضیات کے مطابق نشو و نما ہوتا ہے،

اس مسئلہ کے ساتھ یہ بھی ایک متفقہ مسئلہ ہے، کہ علمی و حیاتیات کی بڑی جماعت کا یہ عقیدہ کہ آغازِ حیات کے جراثیم کرہ ارض میں کسی دوسرے عالم سے آئے ہیں، اور آئندہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب وہ اس دنیا سے منتقل ہو کر کسی دوسرے جرم میں ارتقائی منازل طے کریں گے، پھر جب اس جرم میں بھی زوال شروع ہوگا، تو پھر یہ جراثیم کوئی دوسرا وطن تلاش کریں گے۔

ان دونوں مسئلوں اور فطری قوانین سے موجودہ علمائے فلکیات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تمام اجرامِ فلکی ایک نہ ایک دن اپنا دورِ ارتقاء پورا کر کے زوال پذیر ہوں گے، اور ان کے عناصرِ حیات اس جرم کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی نئی دنیا آباد کریں گے، چنانچہ حال میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک ممتاز اور بلند پایہ استاد پروفیسر ہالڈین نے کرہ ارض کے انجام پر ایک پرمغز مقالہ سرور قلم کیا ہے موصوف کے یہ خیالات محض ظنی اور قیاسی نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے اس کی تائید میں نہایت پرزور علمی عقلی اور نقلی دلیلیں پیش کی ہیں، بطورِ ذیل میں ان کے خیالات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، پروفیسر مذکور نے اس کو مستقبل بعید کے مورخ کے انداز میں لکھا ہے، لیکن ہم اس میں ترسیم کر کے قلم حال سے نقشہ دکھاتے ہیں، پروفیسر مذکور کہتے ہیں کہ:-

ہمارے موجودہ سنہ کے حساب سے ۴۰ ملین برس میں ہمارا کرہ ارض زوال پذیر ہو جائیگا۔

تنتہ سے لیکر تنتہ تک کرہ ارض کے تمام انسان اور حیوان ترقی کر کے اوج کمال پر پہنچ جائیں گے اور تنتہ میں تنتہ کے مقابلہ میں دو نادان ہو جائیگا اور کرہ ارض پر آبادی کی اتنی کثرت ہو جائیگی کہ انسانوں کی مزید آبادی کے لئے بہت کم زمین باقی رہیگی نیز کرہ ارض کی حرکت اس کے محور پر برابر گھومتی جائیگی اس لئے انسان آنے والی مصیبت سے بچنے کی صورتوں پر غور کر لیکن اس کو سولے اس کے سفر کی کوئی صورت نہ نظر آئے گی کہ وہ کرہ ارض کو چھوڑ کر کسی دوسرے کوکب کو آباد کرے لیکن یہاں تک رسائی مشکل ہوگی اس لئے وہ فن پرواز کو ترقی دیکر ایک سو فی طیارہ کے ذریعہ سے جو گولہ کی ساخت کا ہو گا آزاد سفر اور آسجین لیکر مرتخ کا سفر کریگا لیکن ابتدا میں اس کی تمام کوششیں ناکام رہیں گی کیونکہ زمین کی کشش اس کے طیارہ کو زیادہ دور تک نہ جانے دیگی مگر اس ناکامی سے اس کے استقلال میں فرق نہ آئیگا اور پیہم کوشش سے بالآخر ۲۳۸۱ء میں پہلی انسانی مہم مرتخ تک پہنچ جائیگی لیکن یہاں پہنچ کر یہ حوصلہ شکن راز منکشف ہوگا اس کرہ میں انسانی آبادی کی صلاحیت ہی نہیں ہے چنانچہ یہ مہم کرہ ارض کے باشندوں کو اشارہ کے ذریعہ سے اس کی اطلاع دیگی اس تلخ تجربہ کے بعد دوسرے انسان اس کرہ میں آبادی کا خیال ترک کر دیں گے اور ایک عرصہ تک اس خیال پر قائم رہیں گے

لیکن پھر چون چون زمانہ گزرتا جائیگا کرہ ارض کی گردش اس کے محور پر اور مست پڑتی جائیگی اور ایک زمانہ ایسا آجائیگا کہ گردش کی سستی کی وجہ سے اس زمانہ کا دن ہمارے موجودہ دنوں کے مقابلہ میں ۸ گنا زیادہ ہو جائیگا اسی تناسب سے رات بھی طویل ہو جائیگی رات اور دن کی اس طوالت کی وجہ سے گرمی اور سردی اتنی شدید پڑنے لگے گی کہ اس کی برداشت انسانی طاقت سے باہر ہو جائیگی لیکن سائنس اتنی ترقی کر چکی ہوگی کہ انسان اس کے ذریعہ سے رات کو گرم اور دن کو ٹھنڈا کرنے کا سامان کرے گا

اس مدت میں چاند زمین سے اور زیادہ قریب ہوتا جائیگا اور ۲۵۰۰ء میں اتنی قربت ہو جائیگی اور کرہ ارض اور کرہ قمر میں اتنا کم فاصلہ رہ جائیگا کہ چند لمبیں برس کے بعد دونوں کا تصادم یقینی ہو جائیگا اور انسان کو اس کا پورا یقین ہو جائیگا کہ ایک دن یہ دونوں ٹکرا کر تباہ ہو جائیں گے اور کرہ ارض سے انسانی ہستی ناپید ہو جائیگی اس خطرہ سے بچاؤ کے لئے وہ پھر زمین سے بھاگ کر کسی دوسرے کوکب میں بسنے کی تدبیریں کریگا اس مرتبہ اس کی نظر انتخاب مریخ کے بجائے زہرہ پر پڑی چنانچہ زہرہ میں مسکن تلاش کرنے کے لئے انسانوں کی متعدد مہمیں روانہ ہوں گی لیکن وہاں تک کوئی نہ پہنچ سکی اور سب راستہ ہی میں ہلاک ہو جائیں گی مگر اس سے انسان کا حوصلہ ہست نہ ہوگا اور مہمون کا سلسلہ برابر جاری رہیگا اور لاکھوں برس کی پیہم کوشش کے بعد بالآخر ایک مہم زہرہ تک پہنچ جائیگی لیکن اس مہم میں بھی بہت سی انسان ہلاک ہو جائیں گے جو زندہ بچیں گے وہ اشاروں کے ذریعہ سے اپنے ارضی ابنائے جنس کو یہ پیام یا س بھیجیں گے کہ زہرہ میں آسجین کی کمی اور سردی کی شدت کی وجہ سے زندہ رہنا ناممکن ہے الا یہ کہ انسان ان دونوں باتوں کو انگیز کر لیں

اس پیام کے آخری ٹکڑے سے کرہ ارض کے انسانوں کو آبادی کی کچھ امید بندھ چکی چنانچہ جو لوگ نشو و ارتقا کے قوانین اور اس کے عمل کے طریقوں سے واقف ہیں وہ زہرہ کو وطن بنانے کا فیصلہ کریں گے اور ایک انسانی گروہ اس میں زندگی بسر کرنے کے لئے تجربے شروع کریگا اس تجربہ میں غلطیوں کا میاں ہی ہوگی اس کامیابی پچاس ہزار برس بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ زہرہ کے سفر کے لئے کرہ ارض سے بے شمار مہمیں روانہ ہونے لگیں گی لیکن ان بے شمار مہمون میں صرف چند مہمیں وہاں تک پہنچیں گی کہ مین کامیاب ہوں گی باقی سب ہلاک ہو جائیں گی جو مہمیں منزل مقصود پر پہنچ کر خشکی پر اتر جائیں گی ان پر یہ الم انگیز راز منکشف ہوگا کہ ان کے تمام پیشرو یہاں آنے کے بعد ہلاک ہو گئے لیکن اب وہی کی کوئی صورت نہ ہوگی اس لئے ناچار مقیم ہو جائیں گے

ان کے قیام کے بعد زہرہ مین ایک جدید نسل کا آغاز ہو گا، کیونکہ یہ لوگ زہرہ کے طبعی اقتضا اور قانون عمل کے تحت مین نشوونما کر چند قرون کے بعد اپنی شکل و صورت اور جسمانی اور عقلی قوی کے لحاظ سے ایسے عجیب و غریب ہو جائیں گے کہ ان مین اور ارضی انسانوں مین کوئی مشابہت باقی نہ رہے گی اور دونوں کی جسمانی ساخت مین اتنا شدید اختلاف ہو جائیگا کہ دونوں کے درمیان نہ ازدواجی تعلقات قائم ہو سکیں گے اور نہ تو والد و تناسل کا سلسلہ جاری ہو سکے گا۔

اور زہرہ مین یہ عمل جاری ہو رہا ہو گا، دوسری طرف کرہ ارض کے انسان زمین سے بھاگنے کی تدبیر مین کرتے رہیں گے اور اپنی مسلسل کوششوں سے بہت سے انسان زہرہ مین آجائیں گے اس دوران مین چاند کرہ ارض سے اور زیادہ قریب ہوتا جائیگا اور جس قدر اس کی قربت بڑھتی جائیگی مستقبل اس کی رفتار مین سرعت بڑھتی جائے گی، کیونکہ زمین کی قوت جاذبہ کا عمل تیز ہو جائے گا، ان دونوں کی قربت سے وہ ہولناک اور نازک ساعت قریب جائے گی، جو کرہ ارض کو تہ و بالا کر ڈالے گی، اس وقت کرہ ارض کے بننے والے نہایت خوف و ہراس کے عالم مین اس دردناک ساعت موعود کا انتظار کریں گے۔

پھر رفتہ رفتہ مین کرہ قمر کرہ ارض سے اتنا قریب ہو جائیگا کہ دونوں کا موجودہ فاصلہ گزشتہ فاصلہ کے مقابلہ مین کل پڑ جائیگا، اس قربت کی وجہ سے زمین کی کشش اتنی قوی اور اسکا اثر کرہ قمر پر اتنا شدید ہو گا کہ باہمی کشاکش سے چاند کی سطح مین غار پیدا ہو جائیگا، اور اس مین متحدہ شنگار دکھائی دینے لگیں گے، اور دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہو گا کہ چاند کا بہت بڑا ٹکڑہ اس سے جدا ہو کر زمین کی قوت جاذبہ کے زور سے کرہ ارض پر کھینچا آ رہا ہے۔

یہ حالت بھی عرصہ دراز تک قائم رہے گی اور مرد و بایام کے ساتھ ساتھ چاند کی قربت برابر بڑھتی جائیگی اور ایک مانا یہ آجائے گا کہ کرہ قمر زمین سے اتنا قریب ہو جائیگا کہ اس کا گردی دور باشندگان ارض

اور آسمان کے درمیان حائل ہو جائیگا، اور دیکھنے والوں کو آسمان کا بہت کم حصہ نظر آئے گا، اور نہ ہی اس کثرت سے ٹوٹنے لگیں گے کہ فضا مین سنہرے تھون کا جال بنا معلوم ہو گا اور یہ سب مستقل افلاک مین حرکت کرنے لگیں گے، اس ہولناک منظر سے انسانوں کے دل دہل جائیں گے، یہ حالت ایک ہزار سال تک قائم رہے گی، جو سخت جان انسان اس ہولناک منظر سے بچ جائیں گے انھیں اس سے بھی زیادہ قیامت خیز تباہی کا سامنا کرنا پڑیگا۔

سب سے زیادہ ہولناک اور تباہ کن حادثہ جس کو ہم علمی زبان مین کرہ ارض اور کرہ قمر کے تصادم سے تعبیر کریں یا مذہب کی مقدس زبان مین قیامت کہیں اپنی نوعیت مین ایسا عجیب و غریب اور جانکاہ ہو گا کہ تاریخ عالم مین اس کی مثال نہ مل سکیگی، زہرہ کی نئی نسل بھی اس حادثہ سے باخبر ہوگی، اور نہایت خوف و ہراس کے ساتھ اس کا انتظار کریگی، کرہ ارض کے باشندے اشاروں کے ذریعہ سے ان سے مدد مانگیں گے لیکن یہ وہ نازک وقت ہو گا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اتنا ہی سے نہ بچا سکیگی، اس عرصہ مین کرہ قمر کرہ ارض سے مل جائیگا، اور دونوں کی سطحیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہو جائیں گی، اور چاند کے بڑے بڑے غاروں اور دھانوں سے ہینٹناک شعلے اور گھلا ہوا مادہ نکلتا شروع ہو گا، اور ساری فضا کثیف دھوئیں سے معمور ہو جائیگی، یہ دھواں عارضی طور پر کرہ ارض کو چاند کی شعلہ باری سے بچائیگا، لیکن پھر پھوٹے ہی دنوں کے بعد شعلوں کی لپٹیں اور آگ کی جھپٹیں پر شور سلاب کی طرح کرہ ارض کی طرف بڑھیں گی اور دو چار دن کے اندر اندر پورا کرہ قمر گرم توے کی طرح دھک اٹھائیگا، اور اس گرم غبار کی بارش ہونے لگیگی، اس وقت زمین پر بننے والے انسان اس بلا سے آسمانی سے بچنے کے لئے غاروں اور تہ خانوں مین پناہ لیں گے، اور پوری انسانی آبادی مین صرف قطب جنوبی کے باشندے کچھ دنوں کے لئے اس مصیبت سے بچے رہیں گے، کچھ عرصہ تک مذکورہ بالا حالت قائم رہے گی، پھر اس سے بھی زیادہ مہلک دور کا آغاز ہو گا۔

اور کرہ قمر دفعہ چھٹ جائیگا اس سڑاق سے کرہ قمر کے بڑے بڑے پہاڑ ٹوٹ کر فضا و ارض میں آجائیں گے اور ایک پہاڑ کرہ ارض پر گر پڑیگا اس کے گرنے ہی نہایت کثیف دھواں اٹھیگا اس سے ساری فضا بھر جائیگی اور گچھلے ہوئے مادہ کی اتنی بارش ہوگی کہ زمین گرم اور نیال مادہ کے سیلاب سے ڈھک جائیگی اور اس کی ساری مخلوق اس کے نیچے دفن ہو جائیگی پھر زمین پر بارش کے بعد جو مادہ بچے گا وہ اوقیانوس اعظم کا رخ کریگا اور اس بحر بیکران کو آتشیں سمندر بنا دیگا اس طرح بری و بحری دونوں مخلوق اس دھلکے ہوئے مادہ سے جھلک رہا ہوگا و برباد ہو جائیگی کیا مذہب نے قیامت کی اس سے زیادہ مہیب تصویر کھینچی ہے؟ قرآن بھی تو یہی کہتا ہے۔

”جب آفتاب لپٹ لیا جائے جب تارے جھڑپڑیں جب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جائیں جب اوشیان لنگ لنگ چریں جب وحشی جانور خون سے ایک جگہ جمع ہو جائیں جب دریا پاٹ دے جائیں جب روحوں کو ملایا جائے جب زمرہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے کہ کس تصویر میں ماری گئی جب انسانوں کے ہند اعمال کھوئے جائیں جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے جب دونخ دھکائی جائے جب شبست قریب لائی جائے اس وقت انسان کو معلوم ہوگا کہ وہ کیا سا تھو لایا ہوا ہے (سورہ تکویر)

یا

جب آسمان چھٹ جائے جب تارے بکھر جائیں جب دریاؤں کو دوسری طرف بہا دیا جائے جب قبرین کھا دی جائیں اس وقت ہر شخص کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیسے اعمال کئے ہیں اور کیسے آثار چھوڑے ہیں (سورہ انفطار)

قرآن کے اس نقشہ قیامت اور سائنس کی اوپر کی تصویر میں کیا فرق ہے؟ پھر کیوں مذہب کی بتائی ہوئی قیامت قابل مضحکہ ہے اور سائنس کی بتائی ہوئی باتیں قابل قبول!

(امال)

”م“

اشار علیہ السلام

مکتوبات محمد علی

مکتوب چہارم

بنام سید سلیمان ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

برادر مکرم و محترم

۸۔ راکتوبر کا برادر عزیز مسعود کا محبت نامہ اور راکتوبر کا آپکا والا نامہ عرصہ ہوا کہ ملے تھے میرے قلم پر لکھے کے پردوں بھی مل گئے تھے جواب کے لئے موقع ڈھونڈ رہا تھا بیوی بچے چھند واڑہ میں ساتھ تھے تو خطوط لکھنے کی کوئی قید نہ تھی اب ایک قید تو یہ کہ وہ بیان نہ رہیں اور مکتوب سے نصف ملاقات کا کام لیا جائے پھر اس پر طرہ یہ کہ ہفتہ میں دو خط سے زیادہ نہ ہونے پائیں چھند واڑہ میں جب یہ قید نہ تھی تو محض سنہرے بلا ضرورت توسط کے باعث ہفتہ میں دو خط درکنار بعض اوقات مہینہ میں بھی دو خط کی نوبت نہ پہنچتی تھی اگر اب برابر ہر ہفتہ دو خط لکھتا ہوں اور پھر بھی یہ مقدار نا کافی معلوم ہوتی ہو اب اگر احباب کو شکایت ہو تو مجھ سے دست و گریبان نہ ہوں میرے بیوی بچوں سے مباحثہ و مجادلہ و مبالغہ کیا جائے اگر کسی ہفتہ میں صرن ایک خط جاتا ہے تو خواہ مخواہ پریشان ہونے لگتی ہیں کہ کہیں علالت کے باعث تو دو خطوں میں کمی نہیں ہوئی بھائی کو اجازت ہے (اور مجھے بھی) کہ بزنس کے متعلق زیادہ خطوط لکھ سکتے ہیں چنانچہ وہ ہر ہفتہ ایک دو خط رام پور کو بھی کارخانہ کے متعلق لکھ دیتے ہیں جس سے رفع تردد ہو جایا کرتا ہو اس کے علاوہ ایک خط عزیز زہد علی کو علی گڑھ جلا جاتا ہو اور دوسرا خط ہفتہ کا کسی کسی

دوسرے نام چلا جاتا یا پھر بچوں کو لکھ دیتے ہیں، حال میں مجھ پر گھر کا تقاضا اور بھی زیادہ رہا، ایک تو یہ کہ والد کی علالت سخت کے باعث ان کے حکم کے مطابق رام پور جا کر ان کے علاج و تیار داری کرنے کی درخواست دی تھی، ابتدا سے اکتوبر سے آج تک منظوری کا انتظار ہی، اور چونکہ اب تک جواب تک سے سرفراز نہیں فرمائے گئے ہیں، اس لئے کالیموت فیہا دلا بھیجی کا سب لطف اٹھا رہے ہیں، ہم گھر والوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر اکتوبر کو والدہ کی طرف سے سرکار نے تار دیا تھا (حسب تجویز لوکل گورنمنٹ ممالک متوسط) اور پھر اکتوبر کے بعد ڈاکٹری سرٹیفکیٹ مانگا گیا تھا، اس کے اسی دن روانہ کئے جانے پر کیا جواب ملا، وہ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ تمہیں کوئی اطلاع ملی یا نہیں، (چیت کمشنر ۳ کو آئے تھے، ۲ کو رکوہر ۵ کو چھنڈواڑہ ہوتے ہوئے ناگپور گئے) چیت کمشنر سے ملاقات ہوئی یا نہیں، انہوں نے کیا کہا، وغیرہ وغیرہ، دوسرے جہاں کی حافت اور اس سے زیادہ میری کالہی کے باعث وہی انگوٹھا بھر یک گیا تھا جیسے اگست ۱۲ء میں دوبارہ شکاف دینا پڑا تھا، اور جس نے دو ڈھائی مہینہ صاحب فراش رکھا تھا، (یہ ذیابیطس کی عنایت تھی)، اس کی اطلاع گھر والوں کو ہو گئی، ہر خط میں تقاضا آنے لگا کہ لکھو اب کیسے ہو، حالانکہ اس کی اطلاع اضیاطا اسی وقت دی تھی جب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہا تھا، بلکہ انگوٹھا اچھا بھی ہو چکا تھا، اب افسوس کرنے سے کیا حاصل کہ یہ بھی حافت ہی تھی کہ اطلاع دی، اس وقت خیال تھا کہ شاید معظم صاحب (میر علی) نے گھر جا کر نہ کہد یا ہو، یا میرے بھانجے عثمان نے جو پونڈ کے انجیرنگ کالج میں پڑھتے ہیں اور یہاں ہو کر تعطیل میں وطن گئے تھے، اس نے ضروری معلوم ہوا کہ اطمینان دلا دیا جائے، کہ اب اچھا ہوں، اب جا کر معلوم ہوا کہ ان دونوں نے میرے کہنے کا پلٹا کر کے کسی کو مطلق اطلاع نہ دی تھی، اب لگین مجھ سے شکایتیں ہونے لگیں کہ ماہ اس قدر انگوٹھا پکا اور تین خبر تک نہ کی ہم پر تو تقاضا ہے کہ کسی کا سر بھی دکھے تو بے خبر نہ رکھنا، حالانکہ میں سخت تادم ہوں کہ یہ اصرار کیوں کیا گیا، پتہ چل سارا گھر دو تین بار بیمار پڑا اور میں سوا متردد ہونے کے کچھ نہ کر سکا، غم قہر و ریش بیان درویش، صبر و شکر کیا، اب ضرور لکھو کہ کیسے ہوا،

نتیجہ اس سب کا یہ تھا کہ وہ لوگ بیمار تھے اور میں بھلا چنگا مگر خط پر خط آرہے تھے کہ ہماری فکر نہ کرو، اور اپنا حال نہ چھپاؤ، حقیقت یہ باعث تھا اس وقت تک خط نہ لکھنے کا، مگر اس ہفتہ کا ایک خط آپ کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا، کہ اسی اثنا میں دوسرا والا نامہ اور نواب علی صاحب کی کتاب دونوں ملے، میں نے اعتیاداً کتاب کو بھی دو تین دن میں ختم کر لیا، اور اب کہ اس ہفتہ کا آخر دن ہی جواب دیر ہا ہوں، اس لمبی تجویز معذرت کو قبول فرمائیے، اور اس کا یقین دلانے کے لئے کہ واقعی معذرت قبول ہوئی گا ہے مابے لکھنے رہا کیجئے، اور مسعود صاحب کو بھی تاکہ کر دیجئے کہ جب آپکو فرصت نہ ہو وہ فرصت نکال کر ضرور لکھ دیا کریں، (اور اس کے علاوہ بھی) میں آپ حضرات سے سلسلہ جاری رکھنا بھی ایک خاص وجہ سے چاہتا ہوں، علاوہ حصول فیض کے جو ظاہر ہے ایک راز کو بھی عیان کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ حضرات علماء کرام کو جو ملنے کا موقع نہ ملے کہ ہم جہلا کا بھی ان پر حق ہے، اور اسلام ہی نہیں ہے کہ عالم ہو گئے (خواہ بے عمل ہو یا نفل) بلکہ تَوَاصُوا بِالْحَقِّ وَتَوَاصُوا بِالصَّبْرِ بھی نسخہ نجات کے اجزاء ضروری ہیں، معظم صاحب نے جو کچھ آپ کے متعلق اس مرتبہ کہا اس سے اور بھی امید ہو گئی کہ آپ ہم جاہلون کے حقوق سے بے اعتدالی نہ فرمائیں گے، کہئے اس سال کہ صحر کا قصد ہے، ناگپور کے بعد بلگرام کی باری تھی بہر حال آپ کمین بھی جائے ہمارے حقوق سے لاپرواہی نہ برتتے، آپ فرماتے ہیں کہ دل نہیں چاہتا کہ مولانا فرنگی محلی سے بدظن ہوں، یقین کیجئے کہ آپ کا دل جس چیز کو نہیں چاہتا وہ درحقیقت اچھی بھی نہیں ہے، اور یہ ان چیزوں میں شامل نہیں ہے جسکی شان میں آیا ہے کہ عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ آپ فرماتے ہیں، مگر میں کیا کر دن سے

فروغ بجلی بوز دیرم،

اگر یک سرموے برتر پر م

اس لئے آیت مطلق!

جہاں تک ہم دو بھائیوں کو تجربہ ہوا ہے (اور یقین کیجئے کہ کم از کم میں تو بہت گستاخ ہوں، اور

دوسرے کے نام چلا جاتا یا پھر بچوں کو لکھ دیتے ہیں، حال میں مجھ پر گھر کا تقاضا اور بھی زیادہ رہا، ایک تو یہ کہ والد کی علالت سخت کے باعث ان کے حکم کے مطابق رام پور جا کر ان کے علاج و تیمار داری کرنے کی درخواست دی تھی، ابتدا سے اکتوبر سے آج تک منظوری کا انتظار ہے، اور چونکہ اب تک جواب تک سے سرفراز نہیں فرمائے گئے ہیں اس لئے کالیموت فیہا دلایمھی کا سب لطف اٹھا رہے ہیں ہم گھر والوں سے بوجھے ہیں کہ اگر اکتوبر کو والدہ کی طرف سے سرکار نے تار دیا تھا (حسب تجویز لوکل گورنمنٹ ممالک متوسط) اور پھر اکتوبر کے بعد ڈاکٹری سرٹیفیکٹ مانگا گیا تھا، اس کے اسی دن روانہ کئے جانے پر کیا جواب ملا، وہ لوگ ہم سے بوجھے ہیں کہ انھیں کوئی اطلاع ملی یا نہیں، (چیف کمشنر ۳ کو آئے تھے ۲ کو رپورٹ کر کے چھڑوا دیے ہوئے جوئے ناگپور گئے) چیف کمشنر سے ملاقات ہوئی یا نہیں، انھوں نے کیا کہا، وغیرہ وغیرہ، دوسرے جج کی حافت اور اس سے زیادہ میری کاٹی کے باعث وہی انگوٹھا بھر یک گیا تھا، جسے اگست ۱۹۱۴ء میں دوبارہ شکایت دینا پڑا تھا، اور جس نے دو ڈھائی مہینہ صاحب فراش رکھا تھا، (یہ ذیابیطس کی عنایت تھی) اس کی اطلاع گھر والوں کو ہو گئی، ہر خط میں تقاضا آنے لگا کہ لکھو اب کیسے ہو، حالانکہ اس کی اطلاع احتیاطاً اسی وقت دی تھی جب کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہا تھا، بلکہ انگوٹھا اچھا بھی ہو چکا تھا، اب افسوس کرنے سے کیا حاصل کہ یہ بھی حافت ہی تھی کہ اطلاع دی، اس وقت خیال تھا کہ شاید معظم صاحب (میر علی) نے گھر جا کر نہ کہد یا ہو یا میرے بھانجے عثمان نے جو پونہ کے انجینئرنگ کالج میں پڑھتے ہیں اور بیان ہو کر تعطیل میں وطن گئے تھے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اطمینان دلا دیا جائے کہ اب اچھا ہوں، اب جا کر معلوم ہوا کہ ان دونوں نے میرے کہنے کا خیال کر کے کسی کو مطلق اطلاع نہ دی تھی، اب لگین مجھ سے شکایتیں ہونے لگیں کہ وہ اس قدر انگوٹھا بچا اور میں خبر تک نہ کی ہم پر تو تقاضا ہے کہ کسی کا سر بھی دیکھ تو بے خبر نہ رکھنا حالانکہ میں سخت ناوم ہوں کہ یہ اصرار کیوں کیا گیا، پچ پچ سارا گھر دو تین بار بیمار پڑا اور میں سوکا متردد ہونے کے کچھ نہ کر سکا، غم قہر و دلش بجان درویش صبر و فکر کیا، اب ضرور لکھو کہ کیسے ہوا،

نتیجہ اس سب کا یہ تھا کہ وہ لوگ بیمار تھے اور میں بھلا چنگا اگر خط پر خط آرہے تھے کہ ہماری فکر نہ کرو اور اپنا حال نہ چھیپاؤ، حقیقت یہ باعث تھا اس وقت تک خط نہ لکھنے کا، مگر اس ہفتہ کا ایک خط آپ کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا کہ اسی اثنا میں دوسرا والا نامہ اور نواب علی صاحب کی کتاب دونوں ملے، میں نے اعتقاداً کتاب کو بھی دو تین دن میں ختم کر لیا، اور اب کہ اس ہفتہ کا آخر دن ہے، جواب دیر ہا ہوں، اس لمبی چوڑی معذرت کو قبول فرمائیے، اور اس کا یقین دلانے کے لئے کہ واقعی معذرت قبول ہوئی گا ہے مہرے لکھتے رہا کیجئے، اور مسعود صاحب کو بھی تاکید کر دیجئے کہ جب آپ کو فرصت نہ ہو وہ فرصت نکال کر ضرور لکھ دیا کریں، (اور اس کے علاوہ بھی) میں آپ حضرات سے سلسلہ جاری رکھنا بھی ایک خاص وجہ سے چاہتا ہوں، علاوہ حصول فیض کے جو ظاہر ہے ایک راز کو بھی عیان کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ حضرات علمائے کرام کو بھولنے کا موقع نہ ملے کہ ہم جھلا کا بھی ان پر حق ہے، اور اسلام ہی نہیں ہے کہ عالم ہو گئے (خواہ بے عمل ہو یا اہل) بلکہ **تَوَاصُوا بِالْحَقِّ وَتَوَاصُوا بِالصَّبْرِ** بھی نسخہ نجات کے اجزاء ضروری ہیں، معظم صاحب نے جو کچھ آپ کے متعلق اس مرتبہ کہا اس سے اور بھی امید ہو گئی کہ آپ ہم جاہلون کے حقوق سے بے اعتنائی نہ فرمائیں گے، کہئے اس سال کہ صبر کا قصد ہے ناگپور کے بعد بلگام کی باری تھی بہر حال آپ کمین بھی جائے ہمارے حقوق سے لاپرواہی نہ برتتے، آپ فرماتے ہیں کہ دل نہیں چاہتا کہ مولانا فرنگی محلی سے بدظن ہوں، یقین کیجئے کہ آپ کا دل جس چیز کو نہیں چاہتا وہ درحقیقت اچھی بھی نہیں ہے، اور یہ ان چیزوں میں شامل نہیں ہے جسکی شان میں آیا ہے کہ **عَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** آپ فرماتے ہیں، مگر میں کیا کروں سے

فروغ تجلی بسوز دیرم

اگر یک سرسوز برتر پر م

اس لئے آیت مطلق!

جہاں تک ہم دو بھائیوں کو تجربہ ہوا ہے (اور یقین کیجئے کہ کم از کم میں تو بہت گستاخ ہوں، اور

خود بخوبی کو پہنچا ہوا بازی میں بلکہ نہیں پاتا مولانا موصوف میں جہاں لاکھوں خوبیاں ہیں اور لاکھوں خیراتوں کی ایک خوبی جام بہا ہے محبت رسول و امت رسول سے سرشار ہونا، وہاں ایک سخت و خراش خوبی یہ ہے کہ اپنی رے پر کافی اصرار نہیں فرماتے اور دوسروں کی دل آزاری کے خیال سے ان کی رے جلد قبول کر لیتے ہیں، آپ کو تو شاید پہلی ہی بار اتفاق ہوا ہو مگر ہم دونوں کو متعدد بار اتفاق ہوا ہو اور گونتیہ تکلیف وہ ثابت ہوا مگر خود مولانا کے متعلق غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی، آپ سمجھتے ہوں گے کہ ہم نے بھی اکثر "ہیت مطلق" ہی سے کام لیا مگر یہاں نہیں ہوا میری گستاخانہ تو شہرہ آفاق ہیں، اگر اور آخری کا میرا آخری خط کہیں آپ کو دیکھنے کو مل جائے، تو آپ کو کامل یقین ہو جائیگا کہ جب سے ہم کو معلوم ہوا کہ مولانا دوسروں کی دل آزاری کے خیال سے انکی رے قبول فرماتے ہیں، تو ہم نے بھی اپنی دل آزاری کی روداد تیار کر کے روانہ کرنا شروع کی اور اپنے رے کی طرف مائل کر لیا، مگر ضرورت انکی ہے کہ ع

مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

اسی باعث بھائی کا ارادہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قیام مولانا ہی کے پاس کیا جائے، در و خلوص اور خلوص جو صلہ سب کچھ موجود ہے اور بقدر وافر، مگر دین اور دنیا کو ہمارے علمائے اس قدر علیحدہ کر دیا اور ایک دوسرے سے دور بھینک دیا کہ اب جب دنیا نے دین میں بھی دست اندازی شروع کی تو بنیاد پرستی ان حضرات نے دنیا کی طرف دیکھا اور اس میں قدم رکھنا شروع کیا، مگر تجربہ کمان سے لائیں، اور خود غمازی تجربہ ہی کے بعد آتی ہے جو کچھ ہے یہی بسا غنیمت ہے، اور جگہ تو تجربہ ہی نہیں، بلکہ در و خلوص بھی بایں خدا کرے کہ کھوئی ہوئی مولات دین اور دنیا دونوں کی بھر میر ہو، اس وقت تو نہ ایک کی کچھ ٹھیک ہو نہ دوسرے کی سیرۃ کے متعلق بہت کچھ کہنا اور اس سے زیادہ سننا ہی وہی وجہ تھی کہ عبوری میں میں نے آپ کو تکلیف دینا چاہی، اب دیکھئے کب ملاقات ہو جسے بڑی ضرورت سیرۃ کے مکمل ڈھانچے کی ہے، اس کے لئے دین چھڑا دیا، بہت کچھ تسکین ہوئی مگر کلیتہً نہیں ہوئی تاہم خیال ہے کہ دوسری جلد مکمل ہو جائے

تو غالباً تسکین ہو جائے، پہلی جلد میں علاوہ چند مخصوص مباحث کے جبکہ تعلق محض واقعات سے نہیں تھا بلکہ نفس اسلام سے ہے، انھیں ضرور کے واقعات زندگی کے متعلق صفحات کی کمی محسوس ہوئی، ممکن ہو کہ تفصیلات جو اور سیرتوں میں مذکور ہیں غیر مستند ہونے کے باعث چھوڑ دی گئی ہوں، اور واقعی کی تفصیلات کے متعلق جو کچھ پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ زیادہ تر یہ طلب و ایس انھیں حضرت کے ذریعہ سے مشہور ہوئی ہوگی، اور اسی لئے ترک کر دی گئیں، مگر نامناسب نہ ہوتا، اگر فٹ نوٹوں میں یہ تفصیلات دیکر ان کے غیر مستند ہونے کا ذکر کر دیا جاتا، اور جو صاف طور پر موضوع اور بھوئی روایتیں تھیں انکا پردہ فاش کر دیا جاتا، تاکہ عوام کو حق و باطل میں تمیز کرنے کا موقع ملے، میرا تعلق اس امر سے خاص ہے اور وہ بطور "مولود خوان" ہونے کے، میرا ایمان ہے کہ معجزات پر خدا کا قہر و ضرورت ہے، اور اس کے سب سے بزرگ نبی سے اگر کسی معجزہ کا ظہور ہوا ہو تو کیا عجب ہے، مگر اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے کھلا ہوا معجزہ قرآن کریم اور سنت رسول ہے جس کی جانچ پر تان زمانہ میں ہو سکتی ہے، اور ہوتی رہی ہے، اس کے سوا اسلام کا کچھ کسی معجزہ پر نہیں ہے، اس لئے اور مولود خوانوں کی طرح مجھے فوڑ کے ذکر اور معراج کے عجائبات سے زیادہ سروکار نہیں، مگر سوانح و وقائع سے ضرور تعلق ہے، اور جتنے واقعات سیرۃ میں مذکور ہیں انکی سند ہاتھ آتا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ جو متروک ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے، اگر فٹ نوٹ اس کے لئے موزوں نہ ہو تو ایک باب علیحدہ ہونا چاہئے، یا ایک ضمیمہ یا اینڈ کس میں یہ صراحت و وضاحت کی جائے ضرورت اس کی بھی ہے کہ ایک مختصر مگر جامع کتاب اسی سیرت سے تیار کی جائے جہیں بحث مطلق نہ کی جائے اور صرف مستند وقائع مذکور ہوں تاکہ عوام خود باسانی پر ہو سکیں، اور فوراً مومن وغیرہ سے نجات ملے، اگر نظم ہی کی ضرورت ہے تو پھر کوئی صاحب انھیں مستند روایات کو نظم کا جامہ بھی پہنا دین، آپ مجھے میرے اس وعدہ کو یاد دلاتے ہیں کہ "جب چھوٹو نگار و خدمتہ استاد کے بھولوں کی خوشبو سے روح و دماغ کو معطر کر دینگا، اور بزم سخن میں بھی شریک ہو نگا، اچھی حضرت ابھی ان ارادوں

کا اظہار ہی کہاں کیا ہو، جو دل ہی دل میں بچہ ہو رہے ہیں، ابھی تو سیرت کے انگریزی (بلکہ یورپی) قالب کے متعلق کچھ اظہار خیال ہی نہیں کیا ہو، اور اس خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ خوف ہو کہ میں دنیا کی کمردہات میں بھٹکر اس برے فرض کی انجام دہی سے قاصر رہوں، اور موت کتاب حیات کا آخری باب لکھ کر "تم تمام شدہ کا فقرہ چیت نہ کرے، مگر اب یہ بات دل سے نوک قلم تک آئی ہے تو سن لیجے کہ سیرت کے بیرون ملکا، اور بار بار ملاقات کا تقاضا اور باقی حصوں کی ترتیب و طبع کے متعلق استفسارات یہ سب اسی رستہ شب بخیر کا صدفہ ہیں۔

یہ گم صاحبہ بھوپال کا قرضدار اور چور ہوں کہ اس نظر بندی کی "فرصت" میں بھی باوجود زبردقہ پہلے ہی وصول کرنے کے ان کی دو کتابوں کا ترجمہ ختم نہ کیا، اور جو کچھ بھی ہوا وہ مرحوم غلام حسین کے طفیل مگر بھائی یہ فرصت دور وہ کتابیں انفل بے جوڑ تھیں بہت طبیعت پر زور ڈالا اور بار بار انگریز ایک طرف تو گیم صاحبہ کی یہ کتابیں تھیں جن میں ایک نیک سیرت خاتون اور قابل حکمران کی وراثت زندگی کا حال تھا اور دوسرے دنیا کے عجیب غریب اوقات و سوخا تھے جنکی اہمیت و ندرت میں عجیب دلکشی تھی پھر کیا تھا سو ان واقعات اور ان کے نتائج کے متعلق فکر ہا گونا گوں کے ہر جز پر مزہ اور ہیکلی سیٹھی معلوم ہوتی تھی، اگر سیرۃ اور شے ہے، البتہ یہ فرصت قید سے زیادہ فرصت مانگتی ہو، اور قید سے بچکر اگر اتباع سنت رسول نے فرصت دی تو انشاء اللہ پہلا کام یہ ہو گا کہ یورپ کو اس اسوۂ حسنہ کی زیارت کرائی جائے،

اے سوارِ شہبِ دوران بیا	اے فروغِ دیدہ امکان بیا
رونقِ پہچانِ ایجا و شو	در سوادِ دیدہ ہا آبا و شو
شورشِ اقوام را خاموش کن	نغمہ خود را بہشتِ گوش کن
خیز و قانونِ اخوت سازو	جامِ صہبائے محبت سازو
بازو در عالم بیا رآیم صلح	جنگویان را بدہ بینام صلح

نوع انسان مزرع و تو حاصلی کاروان زندگی را منزلی مگر ابھی اس کی آرزو بھی قبل از وقت معلوم ہوتی ہو، ابھی اپنی ہی اصلاح نہیں ہو سکی، دوسروں کی ابھی نوبت کہاں ہے، ابھی تو خود اتباع سنت رسول کی ضرورت ہے،

لے چو جان اندر وجود عالمی	جان ما باشی و از مامی رہی
نغمہ از فیض تو در عود حیات	موت در راہ تو محمود حیات
باز تسکین دل نا شا و شو	باز اندر سینہ ہا آبا و شو
باز از ما خواہ ننگ و نام را	بچہ تر کن عاشقان خام را
از مقدّر شکوہ ہا داریم ما	نرخ تو بالا و نا داریم ما
از تہدستان رخ زیبا پیوش	عشق سلمان و بلال از ان فروش
چشم بے خواب و دل بیتاب دہ	باز مارا فطرت سیما ب دہ
ما پریشان چون ہجومِ اختریم	ہدم و بیگانہ از یک دیگریم
باز این ادراق را شیرازہ کن	باز آئین محبت تازہ کن
رہروان را منزل تسلیم بخش	قوت ایمان ابراہیم بخش
عشق را از شغل لا آگاہ کن	آشنائے رمزا کا اللہ کن

اب رخصت ہوتا ہوں، یہاں کے سپرنٹنڈنٹ جیل ایک ایریشن مین اور کچھ لوگ ہیں تاہم انھوں نے ریشلسٹ سوسائٹی کی ایک مطبوعہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہونے کے خلاف پڑھنے کو دی ہو، وہ پڑھ ہی رہا تھا کہ نواب علی صاحب کی کتاب ملی، عرصہ سے اس قسم کی کتاب کا منتظر اور طلبگار تھا، مگر یہ بظاہر نقش اول ہے نواب علی صاحب کو خود بھی انشاء اللہ جلد لکھونگا، مگر آپ لکھیں تو ضرور میری طرف سے شکریہ ادا کر دین

اور کھدین کہ گو ایک مستقل کتاب عبد عتیق اور عبد جدید کے متعلق یا ہر دو کے متعلق علیحدہ علیحدہ دو کتابیں
انہیں مرتب کرنا پڑیں گی تاہم پیش اول بھی مجید مفید ہے اور تہذیب قرآن پاک کے متعلق ابھی
ایک اور کتاب کھنا پڑیگی اور ساتھ ہی ساتھ قرآن تو قرآن رسول پاک کی احادیث کے متعلق جو اعتقاد
برتی گئی ہے اسکا مقابلہ عبد عتیق اور جدید کی ترتیب و ترجمہ کی بے احتیاطی سے اور بھی واضح طور پر کرنا
ہوگا خدا ان کی کوشش اور محنت کو بار آور فرمائے، ع

ابن کار از تو آید و مردان چنین کنند

تذکرہ مصطفیٰ سے اس کتاب میں زیادہ وقت نظر پڑتی ہے اور اب خوب سمجھ گئے ہیں معارج الدین
بھی اب تک میری نظر سے نہیں گذری، وہ بھی منگوا دیجئے، مگر صحت سہادی میں نے ایک بات
محسوس کی یعنی پیدائش حضرت عیسیٰ اور وفات حضرت عیسیٰ کے متعلق انہوں نے قرآنی بیان کو واضح
نہیں کیا، غالباً اسکا عقیدہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے فرزند تھے، مگر اس قرآنی بیان
کے متعلق کیا کہتے ہیں جو سورہ آل عمران اور سورہ محمد میں مذکور ہے، وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ
بھی کوئی صاف بیان نہیں دیا اس کے متعلق آپ معارف میں کچھ کیوں نہیں تحریر فرماتے،

مسعود صاحب کو علیحدہ خط لکھوں گا مگر ان سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ صحابہ کرام کے متعلق
ایک تالیف تیار ہے پھر طباعت میں کیوں دیر ہو، بھائی یہ تعویق تو ہم لوگوں پر جبر ہے، کیا ایسی کتابوں
کے بکے میں وقت پیش آتی ہے و اللہ اعلم فی القرآن عیسیٰ کتاب کے لئے تو ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو جس کی
آمدنی سوار و پیداوار کی ہو کم از کم غصہ دینا ضروری ہو اور سیرۃ کے لئے تو ہر شخص کو ایک ماہ کی
آمدنی دینا لازمی ہو، ہم لاکھ لاکھ نادار بھی مگر اتنے نادار بھی نہیں ہیں کہ سال میں عہدہ عہدہ روپیہ ایسی
کتابوں کی خریداری کے لئے نہ نکال سکیں، نواب علی صاحب کے جواب کے متعلق عرض ہو کہ یہ ناممکن
ہے کہ تم بھول جاؤ، مگر راہ صاحب کیوں تعویق کرتے ہیں یہ بت تجھ کے نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت

ہیں اگر اب اسکا جواب درکار ہو، ششہ سے معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے، رہی رقم اسکے متعلق عرض ہو
کہ دیوان بہادر صاحب نے خود سات ہزار پر معاملہ چکانے کی کوشش کی تھی، سات برس کا قرض اب
سات برس اور بھی گذر گئے، سود نہ ہی مول ہی ہے،

۹۱۳ء کے سفر میں ملاقات ہوئی تھی تو کہا تھا کہ یہ نہ سمجھنا میں تمہارے قرضہ کو بھول گیا، مگر ابھی
موقعہ ادائیگی کا نہیں ہے، اب چھ برس ہو گئے، کوئی کب تک انتظار کرے، اب میں روپیہ سے زیادہ صاف
جواب کا طلبگار ہوں، اب ڈھیل راہ صاحب کی ہو، بہر حال اس وقت تو کچھ نہیں ہو سکتا، مگر جب وہ
نادہندے اس سے صاف صاف تقاضا کیا جائے،

نقیب کی رقابت کو نہ سمجھا، نقیب آنا بند ہو گیا، میں سمجھا کہ خود ہی بند ہو گیا، اب بھائی لکھ رہے
ہیں کہ ہمارے نام جاری کر دو، حضرت نقیب رقیب توجب ہو جب آپ کی حدود میں قدم رکھے، کوچہ
جانان آپ کی مخصوص ملک ہو، اس میں اس گندے قدم کے آنے کا انتظار کیجئے،

دونوں کا سب کو سلام اور بالخصوص عزیز سیّد کو سیرۃ کے اوراق ارسال فرمائے، اگر خط
کا مسودہ بھی ہو کر آجائے تو اسی سے تسکین حاصل ہو، میری بھوک بھی بلا کی بھوک ہو، مادہ اترتا جائے،
اچھا اب رخصت، دعا گو اور خیر طلب

محمد علی

مکر یہ کہ نہ سطر کی ضرورت ہو نہ مولوی کی، محمد سے جسکا نام شروع ہوا اسکے لئے کچھ درکار نہیں چرتا رہیگا
بھائی حفظ بہت مشکل کام ہو، اطمینان و کیسوئی درکار ہو، سودہ عفا،

مکر یہ کہ اگر فرصت دیوی مکروہات سے ملی تو ارادہ ہو کہ چند ماہ مع اہل و عیال کے خاص اعظم گدھے
میں آکر رہوں، مگر شرط طوطا خاطر ہے عرف ساجی بفسخ العذر، اللہ حضرت علیؑ نے بہت خوب فرمایا ہو کہ میں نے
اپنے رب کو اپنے ارادوں کے منہ ہونے سے پہلے اب جو خدا کا حکم ہو گا وہی ہو گا، محمد علی

احیاء علیہ

ماہتاب کی ساخت

ماہتاب کی ساخت کے متعلق حال میں جو تحقیقات ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سطح جھالین سے بنی ہو، جو ایک آتشفشانی مادہ ہے اس دریافت سے ہیئت دانوں کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے جسکی رے یہ ہے کہ ماہتاب پر جو شے ہم دیکھتے ہیں وہ آتشفشانی حرکت کا نتیجہ ہے، یہ جھالیاں ایک قسم کا گھٹ ہے، جو کہ آتشفشان کے منہ سے خارج ہوتا ہے جب یہ آہستہ آہستہ سرد ہوتا ہے تو اس کی شکل ایک شبیہ کی طرح ہو جاتی ہے، لیکن جب تیزی سے سرد ہوتا ہے تو جھالیاں ہو جاتی ہیں، نیچے کے حصہ میں ممکن ہے سیاہی رہ جاتی ہو، لیکن اوپر کا حصہ برق کی طرح سفید ہوتا ہے، یہی سفید حصہ ماہتاب کی سطح پر پایا جاتا ہے،

تیز رفتاری کی انتہا

باوجود اس کے کہ مغرب نے ریلوں اور موٹروں کی رفتار میں حیرت انگیز ترقی کا ثبوت دیا ہے اسے اب بھی شکایت ہے کہ ریل گاڑیاں اپنے وزن کے باعث تیز رفتاری کی متحمل نہیں ہو سکتیں اس شکایت کو دور کرنے کی غرض سے جرمنی کے ایک سائنس دان پروفیسر وائزنگر (WIESINGER) نے ایونیوم کی ریل گاڑیاں چلانے کا ارادہ کیا، جو بجلی رفتار (۲۲۳) میل فی گھنٹہ ہوگی، ممکن ہے کہ پروفیسر صاحب اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ برق رفتاری بھی اس بیانی کو دور کرنے میں کامیاب ہو سکیگی؟ جو یورپ کی فطرت ٹائمنہ بن گئی ہے،

تمام دنیا کا سفر نوروز میں

مسٹر واسٹ پوسٹ، مشہور امریکی ہوا باز اور ان کے ساتھی مسٹر گائی اس ارادے بنو یا رکے روانہ ہوئے کہ دس روز میں تمام دنیا کا چکر کر کے واپس آجائیں گے لیکن انکا یہ کمال بالکل بے نظیر ہے کہ وہ پورے روئے زمین کا دورہ کر کے نوین روز بنو یا رک واپس پہنچ گئے، جوتے کے روغن کے زہریلے اثرات

تقریباً بیس سال سے یہ شکایت سنی جاتی ہے کہ جوتے کے روغن کا اثر قلب و دماغ پر نہایت خراب پڑتا ہے، اور بعض اوقات موت کا باعث ہو جاتا ہے، زیادہ تر واقعات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ لوگوں نے ایسے جوتے پہنے جنہر تازہ روغن لگایا گیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی رنگ نیلا پڑ گیا، اور وہ بیمار ہو گئے، تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ جو روغن جوتوں پر لگایا جاتا ہے اس میں سمیت ہوتی ہے، جو عموماً پیرین نفوذ کر کے اپنا اثر پیدا کرتی ہے، لیکن ممکن ہے کسی حد تک اپنی بوس کے ذریعہ سے بھی دماغ پر اثر ڈالتی ہو، حال میں اسی قسم کا ایک واقعہ ایک بچہ کے ساتھ پیش آیا جسکی عمر صرف اٹھ ماہ کی تھی، ایک روز صبح کو ایک بیک وہ نیلا پڑ گیا، اور پانچ منٹ کے اندر بے ہوش ہو کر گر پڑا، ڈاکٹر کو اس کمرہ میں جہین بچہ تھا ایک طرح کی تیز بو معلوم ہوئی جو بچہ کے جسم اور اس کے جوتوں سے آرہی تھی، جوتوں پر سیاہ روغن لگا ہوا تھا، جو اس وقت تک نم تھا، معائنہ سے معلوم ہوا کہ اسی روغن کا یہ اثر تھا، بہر حال جو تہ علیحدہ کیا گیا اور بچہ کو صاف ہوا میں باہر لائے، جو میں گھنٹے میں اس کی حالت بالکل درست ہو گئی،

ملیریا لانے والے مچھروں سے بچنے کا طریقہ

مچھروں کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جن سے ملیریا پیدا ہوتا ہے، یہ مچھر دروازوں اور کھڑکیوں کے بند رہنے کے باوجود روشن دان کے ذریعہ سے کمروں میں داخل ہو جاتے ہیں، اور بخار پھیلاتے ہیں، ممالک متحدہ امریکہ کے محکمہ حفظان صحت نے ان سے محفوظ رہنے کا ایک نہایت آسان طریقہ یہ دریافت

کیا ہے کہ روشندان پر منتقلین کی گویان ایک ٹوکری میں رکھ کر لٹکا دی جائیں۔ ان پھروں کو منتقلین کی بو سے نفرت ہوتی ہے اور وہ اس سے دور بھاگتے ہیں، لیکن یہ گویان صرف انھیں پھروں کو بھگانے کے لئے کارآمد ثابت ہوئی ہیں جن سے ملیر یا پھیلتا ہے، نہیں کہا جاسکتا کہ دوسرے قسم کے پھروں کیلئے بھی یہ اتنی ہی مفید ہوگی۔

ایک عجیب درخت

فلوریڈا (امریکہ) میں ایک قسم کا انجیر کا درخت پایا جاتا ہے جو اپنی نشوونما کے لئے کسی دوسرے درخت کا محتاج ہوتا ہے جس کے انگوڑی سیل کی طرح یہ لپٹا رہتا ہے، لیکن اس وقت تک کہ یہ بڑا ہو کر خود اپنے سہارے کھڑا ہو سکے وہ دوسرا درخت ختم ہو جاتا ہے، اسکی پیدائش بھی عجیب و غریب طریقے سے ہوتی ہے۔ اس کے بیج کو کوئی چڑیا لاکر کسی درخت کی شاخ پر چھوڑ جاتی ہے، شاخ ہی پر اس کی نشوونما ہوتی ہے اور وہ اس کی جڑیں نیچے زمین کی طرف پھیلتی ہیں، یہ جڑیں بڑھ کر اصل درخت میں لپٹ جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ اسے فنا کر دیتی ہیں۔

ایک پونڈ شہد کے لئے چالیس ہزار میل کا سفر

مسٹر گوڈریم (امریکہ) نے حساب لگایا ہے کہ ایک پونڈ (نصف سیر) شہد کے لئے مکھیوں کو چالیس ہزار میل کی آمد و رفت کرنی پڑتی ہے، شہد کی کمی کا وزن تقریباً ۱۱ پونڈ ہوتا ہے، اور ہر حکمران جو اس وہ لاتی ہے، اس کا وزن خود اس کے وزن کا تقریباً نصف ہوتا ہے، لہذا ایک پونڈ رس کے جمع کرنے کیلئے تقریباً دس ہزار بار آمد و رفت کرنی پڑتی ہے، لیکن اس رس کا نصف حصہ ہوا میں اڑ جاتا ہے، ہر حکمران اوسط تقریباً دو میل ہوتا ہے، ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک پونڈ شہد کے لئے کھیاں چالیس ہزار میل کا سفر کرتی ہیں۔

امریکہ میں اطمینان کی موت

۱۹۳۳ء میں (۲۹۴۳) اطباء نے ممالک متحدہ امریکہ میں وفات پائی، مرتے وقت عمر کا اوسط (۶۳) سال تھا، یعنی ۱۹۲۹ء سے ایک سال کم جبکہ اوسط (۶۴) سال تھا، (۶۶) ڈاکٹروں کی جانیں موٹروں کے رولنے سے ضائع ہوئیں (۲۴) بلند مقامات سے گر کر مر گئے (۸) کو گویان لگیں (۵) دواؤں کی زیادہ مقدار سے ہلاک ہوئے، اور (۳) طیاروں کے حادثات کا شکار ہوئے، ۱۹۳۳ء میں (۶۶) اطباء نے خودکشی کی، انہیں سے (۳۳) نے اپنے کو گولی مار لی (۷) نے شریان کاٹ ڈالی اور (۷) نے زہر کھالیا، (۴) نے خود اپنے کو پھانسی دیدی (۶) زہریلی گیس سے ہلاک ہوئے، (۲) ضرورت سے زیادہ دوا پی کر مر گئے، (۲) ڈوب کر ہلاک ہوئے، اور (۱) نے ایک بلند مقام سے کود کر جان دی،

انوار شمالی کی بلندی

انوار شمالی (AURORA BOREALIS) زمین سے اس قدر بلند نہیں ہیں جب قدر عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، کناڈا کی رائل سوسائٹی نے اپنی رپورٹ میں یہ ثابت کیا ہے کہ بلندی زمین سے صرف (۵) میل ہے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چمک (۵۵) میل کی بلندی پر دکھائی دیتی ہے، لیکن عام طور سے فاصلہ (۱۰۰) میل سے کم ہی ہے، یہی نتائج ان تجربات سے بھی حاصل ہوئے ہیں جو اسکینڈینیویا (SCANDINAVIA) میں عمل میں لائے گئے ہیں۔

جاپان کی آبادی

دو پشتون سے کم ہی زمانہ میں جاپان کی آبادی گنی ہو گئی ہے، اور اب اس کی تعداد (۶۴۸۰۰۰۰۰) سے زیادہ ہے، بعض لوگ پیشین گوئی کر رہے ہیں کہ آئندہ پست میں یہ آبادی بڑھ کر (۸۴۰۰۰۰۰۰) ہو جائیگی، حالانکہ جاپان کا صرف پانچ حصہ قابل زراعت ہے، ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۲ء تک جاپان کی مردم شماری کا نقشہ حسب ذیل ہے:

۱۹۳۲ء میں (۳۳۱۱۰۶۹۶)، ۱۹۳۳ء میں (۴۱۳۸۸۳۱۳)

۱۹۱۳ء میں (۵۳۳۶۲۲۸۲)، ۱۹۲۳ء میں (۶۰۲۵۴۹۴۲)

مکتبہ کا ایک صدی کا

قرآنی تحریک، حیدرآباد دکن میں مولوی ابو محمد مصلح صاحب اور نواب نذیر جنگ بہادر کی کوششوں سے ایک مفید انجمن کی بنا پڑی ہے جس کا نام "قرآنی تحریک" ہے دفتر تحریک قرآنی سے "سلسلہ اشاعت قرآن" کے نام سے ہر مہینہ پابندی سے ایک رسالہ چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات میں شائع ہوتا ہے اب تک اس کے متعدد رسالے شائع ہو چکے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ان کے ناموں سے ان کے بحث کا بھی اندازہ ہوتا ہے رسائل حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن معنی و مطلب کے ساتھ عام کیونکر ہو (۲) قرآنی علوم (۳) عورتیں قرآن کیونکر پڑھیں (۴) محبت الہی (۵) قرآن غیر اقوام میں (۶) عبدیت الہی (۷) ارتقاء انسان اور قرآن (۸) قرآنی دنیا (۹) علم تفسیر تاریخی حیثیت سے (۱۰) اتحاد اسلامی (۱۱) خلیفہ المسلمین (۱۲) بچوں کی تفسیر (۱۳) ہونہاد (۱۴) خواتین اسلام اور قرآن (۱۵) یورپ اور قرآن یہ سب رسالے دفتر قرآنی تحریک حیدرآباد سے مل سکتے ہیں رسالہ کی الگ الگ قیمت درج نہیں البتہ دس روپیہ سالانہ چندہ ہے چندہ کی ایک دوسری شکل بھی رسالہ کے لوح پر درج ہے یعنی ماہوار پورے سٹ کی قیمت ایک روپیہ

حفیظ کی خامیاں، از جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین، حجم ۱۶۰ صفحہ تقطیع چھوٹی،

کاغذ عمدہ قیمت ۱۲ روپہ گوشہ نشین وزیر آباد پنجاب

جناب حفیظ جالندھری کی نظمیں جس برکیت انداز میں روانی کے ساتھ لکھی جاتی ہیں وہ اخبار کی اصطلاح میں "ٹھاٹھیں مارے ہوئے" سمندر سے کم نہیں ہوتیں جس میں لازماً خس و خاشاک بھی شامل ہو جاتا ہے جناب گوشہ نشین وزیر آبادی نے انتہائی صبر آزا خاموشی اور استقلال سے ان تمام خس و خاشاک کو

ایک ایک کر کے چنا اور اس اس بنا کو حفیظ کی خامیاں کے نام سے موسوم کیا، مرتب کی یہ کوشش ہمارے اور خود جناب حفیظ کے شکریہ کی اس وقت زیادہ مستحق ہوتی اگر ہمیں ذاتیات کی بحث شامل نہ کر دی جاتی کیونکہ حفیظ کی یہ خامیاں "سائے آجائے پر بھی" حفیظ کی خوبیاں "نگاہوں سے نہیں اتر سکتی ہیں" مقصود خامیوں کا دور کرنا ہونا چاہئے، نہ کہ اس کے ساتھ خوبیوں پر بھی خاک ڈالنا، اس رسالہ میں حفیظ پر کل ۲۴۵ اعتراضات ہیں جنہیں سے ۱۸۵ اشائے نامہ پر اور ۶۰ اعتراضات حفیظ کی ایک دوسری نظم "نغمہ زار پر کئے گئے ہیں" صدر لے برقی، مولفہ جناب آفتاب عمر صاحب بی لے حجم ۶۹ صفحہ تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲ روپہ

نامی پریس لکھنؤ یا بھارگو بک ڈپو لکھنؤ یا وہیلر اینڈ کو الہ آباد

جناب آفتاب عمر صاحب بی لے نے اس مختصر رسالہ میں لاسکی کے تمام حالات یکجا کئے ہیں اس رسالہ کی البواب میں منقسم ہے اور رسالہ میں لاسکی کے متعلق دلچسپ مواد فراہم کئے گئے ہیں مختلف بابوں میں آواز بجلی، ٹیلیفون، ایچھر، برقی تموج، وال، اور مختلف آلات وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، اس رسالہ کا طرز بیان صاف اور سہل ہوتا ہے رسالہ کی ابتدا میں جناب سوہن لال ایم ایس سی مجسٹریٹ و کلکٹر جو پور کا ایک مختصر مقدمہ ثبت ہے ہندوستانی ایکادیمی نے اس رسالہ کے مولف کو پانچ سو روپے انعام دیئے ہیں

محاسن اسلام، از جناب مرزا عبد القادر بیگ صاحب ایم لے ال ال بی عیدگ وکیل ہائی کورٹ

اجمیر ناشر انجمن تبلیغ اسلام صوبہ راجستھان، اجمیر، حجم ۴۰ صفحہ، قیمت ۳ روپہ

اجمیر کے آریہ سماج مال میں "تعلیم اسلام کا قومی اخلاق پر اثر" کے عنوان پر ایک تقریر ہوئی تھی اب وہی تقریر محاسن اسلام کے نام سے شائع کی گئی ہے

الجزء الثانی من دروس الادب، مولفہ مولوی مظفر الدین صاحب ندوی ایم لے پروفیسر سرسید

کالج کلکتہ ناشر مولوی خندکار فیض الدین احمد صاحب ایم لے بیو نیورسل لائبریری ۸۲ نمبر ویلی اسٹریٹ

کلکتہ حجم ۵۲ صفحہ تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲ روپہ رسالہ خوبصورت نمایاں میں اچھے کاغذ پر شائع ہوا ہے

مولوی سید ظفر الدین صاحب ندوی ایم لے کلکتہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے ان طلبہ کے لئے جو عربی زبان ثانوی کے طور پر اختیار کرتے ہیں، انصاف کی کتابیں تیار کرتے رہتے ہیں، اور اس سلسلہ میں موصوف کو انگریزی گرامر اور ادب کے ذریعہ عربی صرف و نحو اور ادب کی تعلیم دینے میں خاصہ تجربہ ہو گیا، چنانچہ اس سے پہلے ان کی چند کتابوں کے علاوہ ایک رسالہ دروس الادب جز اول کا تذکرہ ان صفحات میں کیا جا چکا ہے، نیز ہر رسالہ اسی کا جز ثانی ہے، جو عربی مدارس کے چوتھے درجہ اور انگریزی مدارس کے ساتویں درجہ کے لئے لکھا گیا ہے، اور یہ رسالہ بھی بنگال کے محکمہ تعلیمات سے منظور ہو چکا ہے، رسالہ چند اسباق میں منقسم ہے، اور ہر ایک سبق ایک ایک سبق آموز حکایت پر مشتمل ہے، جہاں اولاً اور مفرد الفاظ دیئے گئے ہیں پھر حسب استعداد جملوں میں حکایتیں بیان کی گئی ہیں، آخرین ایک جدول ہے جہاں عربی کے مفرد الفاظ کے انگریزی معانی درج کئے گئے ہیں اور رسالہ عربی اور انگریزی دونوں مدرسوں کے لئے یکساں مفید ہے۔

جبر و مقابلہ مرتبہ سید انوار حسین صاحب بی لے مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ پرنسپل جگم ۱۵۹ صفحہ،

نقائص جھوٹی، لکھائی چھپائی معمولی قیمت ۱۵ روپے، مکتبہ ابراہیمہ انٹیشن روڈ حیدر آباد

یہ رسالہ حیدر آباد کے نصاب تعلیم کے لئے تالیف ہوا ہے، اس میں درجہ ششم اور مڈل کے طلبہ کے لئے جبر و مقابلہ کے ابتدائی مسائل قلب بند کئے گئے ہیں، رسالہ چند ابواب میں منقسم ہے جہاں مسائل کو سمجھانے کے بعد مشق کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن کتابت کی غلطیاں اس قدر بہ کثرت ہیں کہ اس کا ہر صفحہ مشتبہ ہو گیا، ضرورت تھی کہ اس کو شائع کرنے سے پہلے کسی قدر وقت صرف کر کے تمام غلطیاں درست کر دی جاتیں، چائے نامہ، از جناب محمد کاوی ہم ۳۲ صفحہ، قیمت ۲ روپے لاہور میں کتب خانہ بزم کمال کا کو ضلع گیا۔

جناب محمد کاوی کی یہ ایک انوکھی قسم کی نظم ہے جہاں ہندوستان میں چائے کے عام طور پر رواج پانے کا ذکر کئے اس کے مضر اثرات دکھائے گئے ہیں نظم کا طرز بیان دلکش ہے،

"ر"

جلد سبب و ششم ماہ جمادی الاولیٰ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۱ء

مضامین

شذرات	سید یحیٰ بن ندوی	۲۴۶-۲۴۲
ایمان	"	۲۵۷-۲۵۶
مولانا شاہ محمد اہل آبادی	جناب سید احمد صاحب سجادہ نشین ازو شاہ اہل	۲۵۸-۲۵۴
صہبائے دانش	جناب مولوی ابوالقاسم صاحب مدرسہ دارالترجمہ عثمانیہ	۲۶۵-۲۶۱
قدیم قابل اشاعت کتابیں	مولانا سید شمس الدین رکن دائرۃ المعارف حیدر آباد	۲۸۱-۲۹۴
حبیب گنج کا کتب خانہ کس طرح جمع ہوا	نواب مدیار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی	۲۹۵-۳۰۰
جامع مسجد سورت میں ایک عجیب کتبہ	پروفیسر شیخ عبدالقادر صاحب ایم لے اکن کالج پونہ	۳۰۱
روسے زمین کا وارث کون ہو گا؟	"ع ز"	۳۰۶-۳۰۷
علم پروری کی حیرت انگیز مثال	"	۳۰۷-۳۰۹
انجاء علیہ	"	۳۱۰-۳۱۳
جذبات حرم	جناب سید نواب علی صاحب ایم لے پرنسپل بہاولپور	۳۱۴-۳۱۷
	کالج جونا گڑھ	
مطبوعات جدیدہ	"ر"	۳۱۸-۳۲۰

لغات جدیدہ

جدید عربی الفاظ کی دیکھنی یعنی لغت، قیمت غیر، "نیچر"